وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِن لَّا تَشْعُرُوْنَ (القرآن)

الْاَنْبِيَآءُ اَحْيَآءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (حدیث)

جامعہ حنفیہ لاہور کا خالص دینی تعلیمی اور تبلیغی رسالہ

ماہنامہ

حنفیہ

(حیات النبی ﷺ نمبر)

زیر ادارت:

حضرت علامہ مولانا محمد عبد الحلیم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ

حیات النبی ﷺ نمبر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

جامعہ حنفیہ لاہور کا خالص دینی تعلیمی اور تبلیغی رسالہ

ماھنامہ

حنفیہ

زیر ادارت

حضرت علامہ مولینا محمد عبدالحلیم صاحب قاسمی

مقام اشاعت

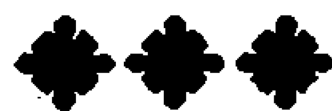
دفتر جامعہ حنفیہ ٹمپل روڈ، لاہور

فی پرچہ آٹھ آنے ——— سالانہ پانچ روپے

قیمت ایک روپیہ علاوہ محصول ڈاک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیلی فہرست



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(حرفِ چند)

لاہور سے کسی زمانہ میں ماہنامہ حنفیہ شائع ہوتا تھا۔ مولانا عبدالحلیم قاسمی اس کے ایڈیٹر تھے۔ ٹیمپل روڈ اس کا دفتر ہوتا تھا۔ مولانا عبدالحلیم قاسمی کے دوسرے بھائی کا نام عبدالعلیم قاسمی تھا۔ دونوں حضرات کو قاسمی برادران کہا جاتا تھا۔ یہ دراصل وادی سون کے علاقہ کے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے۔ لبرٹی مارکیٹ گلبرگ میں جامعہ حنفیہ کے نام سے مولانا عبدالحلیم قاسمی نے ادارہ بھی قائم کیا۔ ماہنامہ حنفیہ کی جلد ۱ شمارہ ۵، ۶ بابت ماہ جنوری، فروری ۱۹۶۰ء مطابق شعبان و رمضان ۱۳۷۹ھ کو انہوں نے "حیات النبی ﷺ نمبر" کے طور پر شائع کیا۔ اس کے ۵۶ صفحات تھے۔ یہ حضرات خوب مزاج کے تھے۔ جماعت اسلامی سے بھی راہ و رسم رکھا۔ اتحاد العلماء کو بھی مشرف کیا۔ مولانا غلام غوث ہزاروی نے ان پر ایک مشہور عالم فقرہ کی پھبتی بھی کسی۔ یہ اس زمانہ کی باتیں ہیں جواب عنقاء ہو چکا۔ ہم ماہنامہ حنفیہ لاہور کے اس ماہنامہ کے حیات النبی ﷺ نمبر کو سوائے دو تین مضامین کے مکمل اس مجموعہ میں لے رہے ہیں۔ اس میں:

(۱) مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کا مضمون "عالم دنیا، عالم برزخ، عالم آخرت"

(۲) حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ
(الف) "المولد الفرسخی فی المولد البرزخی"
(ب) "حیات برزخی میں قوی تر انبیاء علیہم السلام ہیں"
(ت) "سرکار دوعالم ﷺ کے عالم برزخ میں تشریف رکھنے کے بعض احوال"

(۳) حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ "تحقیق حیات النبی فی قبرہ"

(۴) حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ "وفات کے بعد حضور ﷺ کی حیات، شہداء کی حیات سے اکمل ہے"

(۵) حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ
(الف) "مسئلہ حیات النبی کے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ"
(ب) "مسئلہ حیات النبی ﷺ"

(۶) حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ "انبیاء کی حیات برزخی اقویٰ اور اکمل ہے"

(۷) مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ "حضور اقدس ﷺ کے وصل کا ذکر"

سات حضرات کے دس مضامین کو ہم نے اس مجموعہ میں لیا ہے۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ حنفیہ کا حیات النبی ﷺ نمبر

جذبات واحساسات

مسائل کو سمجھنے اور ان کو حل کرنے کا صحیح طریق یہ ہے کہ سب سے پہلے قرآن مجید کو دیکھا جائے اور حتی المقدور سعی کی جائے کہ اس سلسلہ میں حق تعالیٰ کا ارشاد کیا ہے۔

اگر صراحتاً قرآن مجید میں مسئلہ کا حل معلوم نہ ہو سکے تو پھر سنت رسول ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کی جائے کہ اس بارے میں حضور سرور کائنات فخر موجودات ﷺ کا ارشاد گرامی کیا ہے اور آپ کا عمل مبارک کیا تھا۔ اگر احادیث صحیحہ میں بھی صراحت نہ ملے تو فقہاء عظام کی تصریحات کو دیکھا جائے کہ ائمہ عظام نے اس سلسلہ میں کیا تحقیق کی ہے۔

مسئلہ حیات النبی ﷺ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کے بارے میں قرآن مجید یا احادیث میں صراحت موجود نہ ہو۔ حضور سرکار دو عالم ﷺ کا اس دار فنا سے دار بقاء کی طرف رخصت صراحتاً تسلیم ہے۔ جب مسئلہ بالکل واضح اور روز روشن کی طرح درخشاں ہے تو پھر اختلاف کیوں ہے؟ یہ ایک سوال جس کے حل کرنے کی ضرورت ہے۔

قرآن مجید میں دو قسم کی آیتیں ہیں: محکم اور متشابہات۔ محکم آیات کے بارے میں ارشاد ہے: ''ھن ام الکتاب'' کہ یہ قرآن مجید کی فیصلہ کن اور مرکزیت کی حامل آیتیں ہیں۔ مسائل کا حل انہی واضح اور روشن آیات سے کیا جائے۔ صحابہ کرام، ائمہ عظام اور علماء حق کا ہمیشہ یہ شیوہ رہا ہے کہ پیش آمدہ مسائل میں قرآن مجید کی واضح آیات سے استدلال پکڑتے، خود بھی اس کی پیروی کرتے اور دوسروں کو بھی پابند بناتے۔ لیکن ایک طبقہ ہر دور میں ایسا گزرا ہے کہ وہ واضح احکامات اور آیات سے روگردانی کر کے متشابہات کو استدلال میں پیش کر کے خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہی کے راستہ پر چلنے کی دعوت دیتا ہے۔

اسلامی تاریخ میں جتنے گمراہ فرقے اٹھے سب نے محکم آیات کو چھوڑ کر متشابہات کو آڑ بنایا اور عوام کے سامنے متشابہات کو پیش کر کے امت مرحومہ میں افتراق وانتشار پیدا کیا۔ اہل ہوا اور اہل بدعت کا یہ ہمیشہ دستور رہا ہے کہ وہ روشن دلائل کو چھوڑ کر متشابہات کو بطور ڈھال استعمال کرتے ہیں۔ آپ کسی گمراہ فرقہ کے علمبردار سے بات کریں، وہ آپ کے سامنے اسی قسم کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائیں گے۔ بزرگوں کے خواب اور اقوال سند کے طور پر پیش کریں گے اور مکاشفات کو دلیل بنائیں گے۔ یہ ان کی گمراہی کی بین دلیل ہے۔

حضور سرکار دو عالم ﷺ سے ذخیرہ احادیث جو ہمیں ورثہ میں ملا ہے۔ اس میں بھی بعض احادیث متشابہات میں سے ہیں جن کی تاویل اور توجیہ کرنا ضروری ہے۔ عقائد واعمال میں واضح احادیث کو راہ نما بنایا جائے۔ یہ اہل بدعت اور اہل ہوا کا طریقہ ہے کہ ضعیف روایات اور موضوع احادیث کو عوام کے سامنے پیش کر کے خبث باطنی کا اظہار کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ''فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابہا منہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ وما یعلم تاویلہ الا اللہ'' (آل عمران)

مسئلہ حیات النبی کے سلسلہ میں بھی بعض نے یہی طریقہ اختیار کر رکھا ہے جس کی وجہ سے عوام میں خلفشار نظر آتا ہے۔ الحمدللہ ہمارے اکابر نے دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ کو بھی نہایت واضح دلائل سے مزین فرما کر دنیا کے سامنے پیش کیا ہے تاکہ کسی کو کوئی غلط فہمی نہ رہے۔ ہم نے نہایت ہی حزم احتیاط سے اپنے اکابرین کے خیالات نقل کر دیئے ہیں تاکہ مسئلہ میں کسی قسم کی الجھن باقی نہ رہے اور مضامین کے انتخاب میں ان حضرات کو پیش کیا ہے جو سب کے ہاں مسلّم ہیں۔

شروع میں مؤرخ اسلام حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا بلند پایہ مضمون ہے جو عالم برزخ کی وضاحت پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد حکیم الامت محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مضامین ہیں جو عوام وخواص کے لئے تسکین قلب کا باعث ہیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا وعظ اس سلسلہ میں شریک اشاعت ہے۔....

علاوہ ازیں دیگر حضرات کے مضامین بھی نہایت مدلل اور پر مغز ہیں۔ آخر میں ہم ان سب حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے باوجود کثرت مشاغل کے نہایت محبت اور شفقت سے راہ نمائی فرمائی ہے۔ خاص طور پر شیخ الحدیث حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثانی، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرحمن کامل پوری سابقہ صدر المدرسین مظاہر علوم سہارن پور، استاذ العلماء حضرت مولانا محمد چراغ صاحب (جامع عرف شذی)، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف بنوری۔ رفع نزاع کے لئے یہ ادنیٰ کوشش ہے اگر بارگاہ صمدی میں شرف قبولیت پا سکے تو فلاں دارین کا ذریعہ ہے۔ وماتوفیقی الاباللہ علیہ توکلت والیہ انیب!

محمد عبدالحلیم قاسمی

۲۰ جنوری ۱۹۷۰ء

عالم دنیا...... عالم برزخ...... عالم آخرت

از مؤرخ اسلام علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

ان تینوں عالموں میں جو فرق ہے وہ یہ کہ اس موجودہ دنیا میں جسم (مادہ) نمایاں اور روح پوشیدہ ہے اور روح کو جو کچھ شدت وتکلیف یہاں پہنچتی ہے وہ صرف اس کے مادی جسم کے واسطے سے پہنچتی ہے ورنہ درحقیقت اس کی براہ راست راحت ولذت کا رس مادی دنیا میں کوئی امکان نہیں۔ دوسرے عالم میں جس کو برزخ کہا گیا ہے۔ روح نمایاں ہوگی اور جسم چھپ جائے گا۔ وہاں جو راحت وتکلیف پہنچے گی وہ دراصل روح کو پہنچے گی اور جسم اس کی تبعیت میں ضمناً اس سے متاثر ہوگا۔ لیکن اس تیسرے عالم میں جہاں سے حقیقی اور غیر فانی زندگی شروع ہوتی ہے روح اور جسم دونوں نمایاں ہوں گے اور دونوں کی لذت وتکلیف کے مظاہر بالکل الگ الگ ہوں گے۔

عالم برزخ

برزخ کا لفظ قرآن پاک میں تین جگہ استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ اس سے دو چیزوں کے درمیان کا پردہ حاجب اور حائل مراد ہے۔ چنانچہ سورہ رحمن میں دو دریاؤں کا ذکر جن میں ایک میٹھا اور دوسرا کھاری ہے اور اس کے بیچ میں ایک ایک پردہ حائل ہے جو ان کو آپس میں ملنے نہیں دیتا "بینھما برزخ لا یبغیان" ان دونوں کے بیچ میں ایک پردہ ہے جس سے ایک دوسرے پر بڑھ کر نہیں جاتا۔

اس عجیب وغریب بحری منظر کا ذکر سورۂ فرقان میں ہے اور وہاں بھی یہی لفظ واقع ہے "وھو الذی مرج البحرین ھذا عذب فرات وھذا ملح اجاج وجعل بینھما برزخا وحجرا محجورا" (فرقان)

(اور اس نے دو دریاؤں کو ملا کے چلایا، یہ میٹھا اور پیاس بجھاتا ہے اور وہ کھاری کڑوا ہے اور اس کے بیچ میں ایک پردہ اور روکی ہوئی اوٹ بنائی ہے)

اسی بناء پر موجودہ زندگی اور آئندہ زندگی کے درمیان جو مقام حائل اور حاجب ہے اس کا نام برزخ ہے۔ سورۂ مؤمنون میں نزع کے وقت کے بیان میں ہے کہ "ومن ورائھم برزخ الی یوم یبعثون" (مومنون)

(اور ان مرنے والوں کے پیچھے ایک پردہ ہے اس دن تک جب کہ وہ قیامت میں اٹھائے جائیں گے)

عربوں بلکہ کل ساری قوموں کے رسم ورواج اور مشاہدات کی بناء پر اسی درمیانی منزل (برزخ) کا نام قبر ہے، خواہ وہ خاک کے اندر ہو، یا قعر دریا میں، یا کسی درندہ پرندہ کے پیٹ میں۔ اسی لئے فرمایا: "وان اللہ یبعث من فی القبور" (الحج:) (بلاشبہ اللہ ان کو جو قبروں میں ہیں اٹھائے گا)

اب ظاہر ہے کہ یہ بعث صرف انہیں مردوں کے لئے مخصوص نہیں جو تودۂ خاک کے اندر دفن ہوں بلکہ سب کے لئے ہے۔ خواہ کسی حالت میں اور کسی عالم میں ہو۔ اس لئے قبر سے مقصود صرف وہ مقام ہے جہاں مرنے کے بعد جسم خاکی نے جگہ حاصل کی۔ (سیرۃ النبی ﷺ ج ۴ ص ۶۳۶ تا ۶۳۸)

احادیث میں ہے کہ قبر میں سوال وجواب کے بعد نیکوکاروں سے کہا جاتا ہے کہ "نم کنومۃ العروس" کہ دلہن کی نیند سو جاؤ۔ جس کو وہی جگاتا ہے جو اسے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ یہاں تک کہ خدا اس کو اس خواب گاہ سے اٹھائے گا۔ ان شواہد سے ظاہر ہے کہ برزخ کی زندگی جس میں روح جسم سے الگ ہوتی ہے۔ روح کی ایک طویل وعمیق نیند کے مشابہ ہے۔ (سیرت النبی ﷺ ج ۴ ص ۶۴۲)

عالم برزخ میں ارواح کا مسکن

آخری سوال یہ ہے کہ موت اور قیامت کی اس بیچ کی منزل (برزخ) میں ارواح انسانی کا مسکن کہاں ہوگا۔ قرآن پاک میں اس کا جواب متعدد آیتوں سے ملتا ہے۔ سب سے پہلی آیت تو ان مذکورہ آیات کے بعد ہے جس میں ذکر ہے کہ فرشتے جب منکرین سے سوال وجواب کر چکیں گے تو خدا ان کی روح کو حکم دے گا کہ وہ ساتھیوں کے ساتھ عذاب کی آگ میں داخل ہو جائیں۔ اس کے بعد ہے: "ان الذین کذبوا بآیتنا واستکبروا عنھا لا تفتح لھم ابواب السماء ولا یدخلون الجنۃ حتی یلج الجمل فی سم الخیاط" (اعراف:)

(بے شک جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان کے ماننے سے غرور کیا ان کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ تا آنکہ اونٹ سوئی کے ناکے میں گھس جائے۔)

اس سے معلوم ہوا کہ آیت الٰہی کے منکروں اور جھٹلانے والوں کی روحیں مرنے کے بعد آسمانی بادشاہی کے حدود میں قدم نہ رکھ سکیں گی اور وہ فضا زمین میں آوارہ پھریں گی یا اپنے خاکی جسموں کے لگاؤ سے جہاں وہ سپرد خاک ہیں منڈلاتی رہیں گی اور وہیں سے دوزخ کا منظر دیکھیں گی اور تکلیف اٹھائیں گی۔ اس کے برخلاف ہمہ تن پاکباز مومن روح کا یہ حال ہوتا ہے کہ موت ہی کے وقت رحمت الٰہی کا فرشتہ بلکہ خود زبان رحمت اس کے کانوں

میں یہ صدا دیتی ہے: "یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی" (اے مطمئن روح اپنے پروردگار کے پاس چلی جا تیرا پروردگار تجھ سے خوش تو میرے بندوں میں شامل اور میری بہشت میں داخل ہو جا۔) (فجر)

اس سے بڑھ کر وہ پاکباز روحیں ہیں جنھوں نے اپنے خاکی جسموں، فانی زندگیوں، مادی خوشیوں اور زوال پذیر عشرتوں کو خدا کی راہ پر قربان کیا تو ان کو خدا کی طرف سے ایک تمثالی جسم غیر فانی زندگی اور روحانی عیش وعشرت کی لازوال دولت اسی وقت عنایت کردی جاتی ہے۔ فرمایا: "ولاتقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون" (جو خدا کی راہ میں مارے جائیں ان کو مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں لیکن تم شعور نہیں کرسکتے) (بقرہ:۱۱۹)

یہ پرمسرت زندگی شہداء کو ملے گی اس زندگی کا مقام خدا کے پاس بتایا گیا ہے۔

"بل احیاء عند ربھم یرزقون" (بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں) (آل عمران)

احادیث صحیحہ میں ہے کہ ان زندہ شہیدوں کی روحیں قفس عنصری سے پرواز کرکے جب اڑتی ہیں تو وہ سبز پرندوں کی صورت میں جنت کی سیر کرتی ہیں اور عرش الٰہی کی قندیلیں ان کا نشیمن بنتی ہیں۔ اس کے بعد غالباً اتنا عقل تسلیم کرے گا کہ انبیاء ﷩ کے روحانی مدارج و مراتب شہداء سے بہرحال اعلٰی اور برتر ہیں۔ ان کا مقام بھی اسی احاطہ قدس کے اندر ہوگا۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے سیر معراج اور اپنے رویاء صادقہ میں بعض پیغمبروں کو آسمان اور بہشت کے مختلف مدارج میں دیکھا ہے۔ (سیرۃ النبی ﷺ ج ۴ ص ۶۷۴ تا ۶۷۷)

المورد الفرخی فی المولد البرزخی

از حکیم الامت حضرت شاہ محمد اشرف علی ﷫

یہ وعظ ۷ ربیع الاوّل ۱۳۴۴ھ بروز شنبہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں کرسی پر بیٹھ کر ۳ گھنٹے پچاس منٹ ہوا اور مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے ضبط کیا۔ مضمون وعظ یہ ہے کہ اس میں "یہ ثابت کیا ہے کہ ولادت کی دو قسمیں ہیں: ایک ناسوتی اور ایک ملکوتی جس کو وفات کہا جاتا ہے۔ وہ ولادت ملکوتی ہے جو ناسوتی سے افضل ہے اور جس طرح حضور ﷺ کی ولادت ناسوتیہ کے حالات وفضائل وکمال بیان کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح ولادت ملکوتیہ کے کمالات بھی بیان کرنے چاہئیں۔" اس وعظ میں سے چند اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں۔ جس سے اندازہ ہوگا کہ مسئلہ "حیات النبی ﷺ" کے بارے میں حضرت حکیم الامت کا نظریہ کیا تھا اور حیات انبیاء کرام ﷩ کی حقیقت کیا سمجھ رہے تھے۔

۱...... ولادت کی ایک حقیقت صوریہ ہے اور ایک حقیقت معنویہ۔ حقیقت صوریہ تو یہ ہے ماں کے پیٹ سے بچہ پیدا ہوا اور لغوی حقیقت بھی ولادت کی یہی ہے اور حقیقت معنویہ جو کہ ولادت صوریہ کی طرح ہے۔ یہ ہے کہ وہ ابتداء ہے حیات کی اور چونکہ حیات برزخیہ بھی ایک حیات ہے تو اس کی ابتداء بھی اس میں معنا داخل ہوگی اور اس کی ابتداء ہے وفات تو اس بنا پر وفات بھی ولادت ہے اور اس کو وفات کہنا ولادت صوریہ کے اعتبار سے ہے۔ یعنی جس حیات کی ابتداء ولادت صوریہ سے ہوئی تھی۔ اس وقت اس کا انقطاع ہو جاتا ہے۔ لیکن دوسری حیات کے اعتبار سے یہ بھی ولادت ہوگی۔ جیسا اوپر مذکور ہوا تو وفات میں دو حیثیتیں ہوئیں۔ ایک یہ کہ ختم ہے۔ ایک حیات کا اور وہ حیات ناسوتیہ ہے۔ اس حیثیت سے وہ بے شک واقعہ غم ہے۔ بعض عشاق کے اس ولادت کے ذکر میں وفات کا ذکر نہ کرے اور طبعاً

اس کا یہی اثر بھی ہے کہ وہ موجب غم ہے۔ چنانچہ یہ اثر عقلاء میں بھی ہوتا ہے۔ حتی کہ حضرات صحابہ جیسے مستقل اور حکیم اور عارف جماعت پر بھی ہوا۔ چنانچہ احادیث میں ایسے ایسے غم کے قصے مذکور ہیں جن کی نظیر نہیں۔ مگر ساتھ ہی خلاف صبر ان کا ایک قول یا فعل بھی منقول نہیں۔ بس ایک حیثیت تو وفات میں یہ ہے اور دوسری حیثیت یہ ہے کہ مبدأ ہے ایک حیات کا اور حیات ملکوتیہ ہے اور حیثیت سے وہ بھی معناً ولادت میں داخل کر کے اور اس کا ذکر عین ذکر ولادت ہے۔ اب میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ یہ ولادت ملکوتیہ ولادت ناسوتیہ سے اہم و اعظم ہے۔ حقیقت کے اعتبار سے بھی اور آثار کے اعتبار سے بھی۔ حقیقت کے اعتبار سے تو اس لئے کہ جس حیات کی یہ ابتداء ہے یعنی حیات ملکوتیہ وہ بہ نسبت اس حیات کے جس کی وہ ولادت ابتداء ہے۔ یعنی حیات ناسوتیہ اقوی و اجلی و اصفی و اکمل ہے۔ الخ (ص ۳۵، ۳۶)

۲...... غرض حیات ملکوتیہ حیات ناسوتیہ سے دوام بھی ہے اور اتم بھی اور اقوم بھی اور افضل بھی ہے اور اکمل بھی ہے اور اجمل بھی اور اجلی بھی ہے اور اقوی بھی اور اصفی بھی ہے اور ازکی بھی اور اسنی بھی، انفع بھی ہے اور ارفع بھی اعلیٰ بھی ہے اور اشہیٰ بھی اور انمیٰ بھی۔ جی چاہتا ہے کہ بیس تیس قافیے کہہ ڈالوں، جو شاید سوچنے سے نکل بھی آئیں۔ مگر اس وقت مجھے مولانا کا قول یاد آ گیا:

قافیہ اندیشم و دلدار من گویدم مندیش خبر دیدار من

۳...... جب حیات ملکوتیہ حیات ناسوتیہ سے اعظم ہے تو ولادت ملکوتیہ یعنی حیات ملکوتیہ کی ابتداء کہ سفر آخرت یا وفات ہے۔ ولادت ناسوتیہ یعنی حیات ناسوتیہ کی ابتداء ہے کہ ولادت متعارفہ ہے۔ نیز اہم و اعظم ہوگی اور اس سے زیادہ قابل ذکر ہوگی۔ پھر جب حضور ﷺ کی ولادت ناسوتیہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو آپ کی ولادت ملکوتیہ کا (گو اس کا لغوی نام وفات ہی ہو) کیوں نہ ذکر کیا جائے۔ بہرحال میں نے حضور ﷺ کے سفر آخرت کا ذکر اس حیثیت سے ذکر نہیں کیا کہ سفر آخرت ہے بلکہ اس حیثیت سے اختیار کیا ہے وہ بھی حضور ﷺ کی ایک حیات کا ذکر ہے۔ پس جیسا حیات ناسوتیہ کا ذکر مولد ہے۔ اسی طرح وسعت ملکوتیہ کا ذکر بھی مولد ہی ہے۔ (ص ۴۸)

۴...... اور رنج میں صرف مفارقت دائم کا مؤثر ہونا اور موت کا مؤثر نہ ہونا اس سے بھی متابد ہوتا ہے کہ جب حضور ﷺ کا یخ یخ وصال ہو گیا اور منافقوں اور بددینوں میں کھچڑی پکنے لگی اور وہ باہم چپکے چپکے خوشیاں منانے لگے تو اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار نکال کر سب کو دھمکایا کہ خبردار! کوئی شخص زبان سے یہ لفظ نہ نکالے کہ حضور کی وفات ہو گئی۔ بلکہ آپ پر غشی طاری ہو گئی ہے اور درگاہ قرب میں روحانی طور پر تشریف لے گئے ہیں۔ ابھی واپس آ کر منافقوں کو قتل کر دیں گے۔ حضور ﷺ کی وفات ابھی نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ اسلام کی تکمیل نہ ہو جائے۔ یہ کوئی بات نہیں تھی۔ جیسا کہ اہل ظاہر کا خیال ہے بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خیال ہی یہ تھا کہ یہ حالت جو حضور ﷺ پر طاری ہے موت نہیں ہے بلکہ آپ کو معراج روحانی ہوئی ہے۔ اگر ان کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ حالت موت ہے تو ان کو اپنے ہوش نہ رہتے۔ چہ جائے کہ ایسی اور تدابیر سوچتے۔ چنانچہ جس وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضور کا وصال ہو چکا تو اس وقت ان سے بھی کھڑا نہ ہوا گیا۔ قدم لڑکھڑا گئے اور سکتے کی حالت میں آ گئے۔ (ص ۶۲)

۵...... غرض جب تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ خیال رہا کہ آپ کو معراج روحانی ہوئی ہے اس وقت تک سنبھلے رہے نہ رونا آیا نہ رنج و فکر ہوا۔ بلکہ دلیری کے ساتھ منافقوں کو دھمکاتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو

اس حالت کی اطلاع ہوئی تو وہ اس حالت میں اپنے گھر میں تھے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق ؓ جلدی سے تشریف لائے تو مسجد میں صحابہ کو حیران و پریشان اور حضرت عمر ؓ کو یہ کہتے ہوئے دیکھا کہ خبردار! حضور ﷺ کی نسبت وفات کا لفظ کسی کی زبان سے نہ نکلنے پائے ورنہ اس تلوار سے دو ٹکڑے کر دوں گا۔

حضرت صدیق ؓ نے کسی بات پر التفات نہ کیا اور سیدھے حجرۂ عائشہ صدیقہ ؓ میں تشریف لے گئے اور حضور ﷺ کے چہرہ اطہر سے چادر مبارک کھول کر حضور کو دیکھا تو دیکھتے ہی یقین ہو گیا۔ اس وقت سب سے زیادہ حضرت صدیق ؓ مضبوط رہے کہ وفات کا یقین ہو جانے کے بعد اتنا تو منہ سے نکلا: واخلیلاہ واحبیباہ طبت حیاً ومیتاً واللہ لا یجمعن اللہ علیک موتتین ابداً اما الموتہ التی کتب اللہ علیک فقد متھا۔ اس کے بعد نہایت ضبط کے ساتھ حجرہ سے باہر آئے۔ اس وقت صحابہ کی عجیب حالت تھی کہ سب کے سب حضرت صدیق اکبر ؓ کے منہ کو تکتے تھے کہ دیکھئے ان کے منہ سے کیا نکلتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اول تو حضرت عمر ؓ کو پکار کر فرمایا علی رجلک یا رجل اے شخص ٹھہر جا۔ خاموش ہو جا۔ مگر حضرت عمر ؓ جوش میں بھرے ہوئے تھے۔ خاموش نہ ہوئے تو حضرت صدیق سیدھے ممبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ پڑھا۔ اس وقت سب صحابہ حضرت عمر ؓ کو چھوڑ کر حضرت صدیق ؓ کی طرف متوجہ ہو گئے تو آپ نے حمد وصلوٰۃ کے بعد فرمایا:

"اما بعد! فمن کان یعبد محمداً فان محمداً قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افئن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئاً۔ وسیجزی اللہ الشاکرین وانک میت وانھم میتون ثم انکم یوم القیامۃ عند ربکم تختصمون"

یعنی جو رسول اللہ ﷺ کو معبود سمجھتا ہو، وہ سن لے کہ حضور ﷺ کا تو وصال ہو چکا اور جو خدا کی عبادت کرتا ہو اور یہی سمجھ کر اسلام لایا ہو) تو اللہ تعالیٰ زندہ ہیں وہ کبھی نہ مریں گے۔ اس میں جتلا دیا کہ تکمیل اسلام کے لئے اللہ تعالیٰ کا حی لا یموت ہونا کافی ہے۔ حضور ﷺ کے زندہ رہنے کی ضرورت نہیں۔

بس یہ سن کر حضرت عمر ؓ بالکل ٹھنڈے ہو گئے اور اب اتنی بھی طاقت نہ رہی کہ کھڑے ہو سکیں۔ ایک آہ بھر کر تلوار کے سہارے سے بیٹھ گئے۔ سو بتلایئے کہ حضرت عمر ؓ کو یہ صدمہ پہلے کیوں نہ ہوا۔ حالاں کہ معراج روحانی میں مفارقت روحانی موجود تھی اور وہ بالکل مشابہ موت کے تھی۔ اب کیوں صدمہ ہوا تو ثابت یہ ہے کہ پہلے تو یہ خیال تھا کہ مفارقت دائمہ نہیں تھوڑی دیر کی ہے۔ ابھی حضور ﷺ تشریف لے آئیں گے اور اب یقین ہو گیا کہ اصل سبب رنج کا موت نہیں بلکہ مفارقت دائمہ ہے۔ (ص ۶۳ تا ۶۵)

۶...... صحابہ کو رنج اس کا تھا کہ حضور ہم سے جدا ہو گئے اور آپ کی برکات ہم سے منقطع ہو گئیں۔ چنانچہ مسلم میں ہے۔ ایک بار حضرت شیخین حضور کے وصال کے قریب ہی حضرت ام ایمن ؓ کی زیارت کو گئے جو رسول اللہ ﷺ کی کھلانے والی، پالنے والی تھیں۔ حضور ﷺ بھی ان کے ملنے کو گاہے گاہے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اس سنت کے مطابق حضرات شیخین ؓ بھی تشریف لے گئے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو یاد کر کے رونے لگیں۔ حضرات شیخین نے فرمایا اے ام ایمن! کیوں روتی ہو؟ کیا تم کو معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ کے پاس نعمتیں حضور ﷺ کے لئے (دنیا سے)

بہتر ہیں (یہ فرمایا کیا تم کو معلوم نہیں اپنے فرمان سے ہتلا رہا ہے) کہ یہ صحابہ کے نزدیک اولیات و مسلمات میں سے تھا۔ اس پر انہوں نے فرمایا یہ تو میں بھی جانتی ہوں: "ولکن الوحی انقطع عنا"۔ لیکن حضور ﷺ کے تشریف لے جانے سے نزول وحی منقطع ہو گیا۔ اس لئے روتی ہوں کہ رنج اس کا ہے کہ ہم حضور سے جدا ہو گئے یا حضور ہم سے جدا ہو گئے اور وہ برکات نبوت منقطع ہو گئیں۔ "فھیجی لذالک الشیخان" یہ سن کر حضرات شیخین ﷠ بھی رونے لگے۔

یہاں اہل ظاہر کو شبہ ہوگا کہ یہ حضرات کیوں رونے لگے؟ یا تو ان کو بھی رونے سے منع کرتے تھے یا خود بھی رونے لگے۔ صاحبو! یہ رونا بھی ان کے محقق ہونے کی دلیل ہے۔ حضرات صحابہ ﷡ عارف تھے اور عارف بھی کامل اور عارف کامل کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ ہر چیز کا حق ادا کرتا ہے۔ عقل کا بھی، طبع کا بھی تو حضرات شیخین ﷠ نے اوّل عقل کا حق ادا کیا کہ عقلاً عاشق کو محبوب کے لئے وہی بات پسند کرنا چاہئے جس کو محبوب خود پسند کرتا ہے اور حضور ﷺ کو آخرت ہی محبوب تھی۔ چنانچہ حدیث متفق علیہ میں ہے کہ وصال سے پہلے حضور ﷺ نے ایک بار فرمایا:

"ان اللہ خیر عبدا بین الدنیا و بین ما عندہ واختار ما عنداللہ فبکی ابو بکر وقال فداک بآبائنا وامھاتنا یا رسول اللہ" یعنی حق تعالیٰ نے بندے کو اختیار دیا ہے کہ چاہے دنیا میں رہے یا خدا کے پاس جائیں تو اس بندہ نے خدا تعالیٰ کے پاس جانا پسند کیا۔ حضرات صحابہ ﷡ اس کا مطلب نہ سمجھے۔ یہ خیال کیا کہ حضور ﷺ کسی اور شخص کا قصہ بیان فرما رہے ہیں۔ مگر حضرت ابوبکر صدیق ﷛ سمجھ گئے کہ حضور اپنا ہی واقعہ بیان فرما رہے تھے۔ وہ رونے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔

صحابہ ﷡ اس قصہ میں فرماتے ہیں "فکان ابو بکر اعلمنا" ابوبکر ہم میں سب سے زیادہ عالم تھے کہ وہ مطلب سمجھ گئے۔ اس سے صراحتاً معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کو آخرت پسند تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں۔ جن میں اور مصرح ہے۔ چنانچہ بیہقی کی حدیث میں ہے کہ جس وقت وصال کا وقت قریب آیا تو حضرت عزرائیل ﷤ ملک الموت نے عرض کیا کہ مجھے حق تعالیٰ کا حکم ہے کہ بغیر آپ کی اجازت کے کچھ نہ کروں "فنظر الی جبرائیل فقال یا محمد ان اللہ قد اشتاق الی لقائک فقال امض لما امرت بہ" یعنی اس وقت حضور ﷺ نے جبرائیل ﷤ کی طرف نظر کی کہ بتلاؤ میں کون سی حالت اختیار کروں۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ حق تعالیٰ آپ کے ملنے کے مشتاق ہیں۔ اس کے معنی میں بیہقی نے کہا ہے: "قد اراد لقائک بان یردک من دنیاک الی معادک زیادۃ فی قربک وکرامتک" تو آپ نے فرمایا بسم اللہ اے عزرائیل اپنا کام شروع کرو کہ مجھے بھی اپنے پروردگار کے لقاء کا اشتیاق ہے۔ نیز عین وصال کے وقت آپ یہ فرما رہے تھے "اللھم الرفیق الاعلی" (رواہ الشیخان) اور یہ بھی فرما رہے تھے "مع الذین انعمت علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین" (رواہ الشیخان) یعنی اے اللہ میں رفیق اعلیٰ کو تلاش کرتا ہوں۔ جہاں ان لوگوں کا ساتھ ہوگا جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ ﷝ فرماتی ہیں کہ یہ سن کر میں نے سمجھ لیا کہ حضور ﷺ کو اس وقت اختیار دیا گیا تھا اور آپ نے رفیق اعلیٰ کو پسند فرمایا "فاذا لا یختارنا" (رواہ الشیخان) پس ہمارے پاس رہنا آپ کو منظور نہیں ہے۔ یہاں سے موت کی ایک وجہ ترجیح علاوہ وجوہ مذکورہ یہ بھی نکل آئی کہ حضور ﷺ کو یہ حالت محبوب تھی۔ اگر حیات کو ترجیح ہوتی تو حضور ﷺ کو اختیار فرماتے اور جب آپ کو یہ حالت محبوب تھی تو عاشق حقیقی بھی عقلاً آپ کے سفر آخرت کو محبوب سمجھے گا۔ اس لئے اوّل تو شیخین نے ام ایمن

سے بھی فرمایا کہ ماعنداللہ خیر لرسول اللہ ﷺ پھر جب انہوں نے اپنے بکاء کی یہ وجہ بیان کی کہ ہم سے وحی منقطع ہوگئی۔ جس کا حاصل مفارقت کا صدمہ ہے۔ خواہ مفارقت ذات کہو یا مفارقت برکات۔ دونوں کا ایک ہی حاصل ہے۔ کیوں کہ برکات بھی تو ذات کے ساتھ ہیں تو یہ حضرات بھی رونے لگے تو اب طبیعت کا حق ادا کیا۔ کیوں کہ طبعی اقتضاء یہ ہے کہ اس مفارقت دائمہ ظاہر سے جو حقیقت دائمہ ہے کہ کچھ آنسو ٹپک پڑیں۔ (ص ۶۰ تا ۶۷)

۷..... اور یہ جو قید لگائی بہ شکل مفارقت دائمہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایک مفارقت عارضہ تو ایسی ہے جو حقیقت میں عارضہ ہے اور شکل میں بھی عارضہ ہے۔ جیسے کوئی جلال آباد چلا جائے اور ایک مفارقت عارضہ وہ ہے جو شکلا دائمہ ہو، وہ موت ہے۔ اس کا مقتضائے طبعی یہی ہے کہ کچھ حزن عارضی ہو اور میں نے دائمہ کی تفسیر اوپر کی تھی کہ اس کے عود کرنے سے مایوسی ہو، اس سے ایک شبہ کا رفع کرنا مقصود ہو۔ وہ یہ کہ گو میت تو ہمارے پاس نہیں آتا۔ مگر ہم تو مر کر اس عالم میں جانے والے ہیں۔ پھر مفارقت دائمہ کہاں ہوئی۔

خصوص حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان میں سے خصوص مبشرین بالجنۃ کہ ان کا اجتماع حضور ﷺ کے ساتھ یقینی ہے۔ پھر ان کو کیوں رنج ہوا۔ اسی طرح حضور ﷺ کو اپنے صاحبزادے کی وفات پر کیوں رنج ہوا؟ سو اس قید سے جواب نکل آیا کہ اللہ تعالیٰ نے طبیعت کی ایسی خاصیت بنائی ہے کہ باوجود تیقن اجتماع کے جب عدم عود الی ہذا عالم ہو جانے پر ضرور حزن ہوتا ہے اور یہ ایسا روطبعی ہے کہ اگر کوئی دوسری کیفیت اس پر غالب آجائے تو خیر ورنہ یہ اپنا اثر ضرور کرتی ہے۔ جیسا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کے مرض وفات پر مزاج پرسی کے لئے تشریف لائیں "فسارها فبکت فلما رای حزنها فسارها الثانیة فضحکت" یعنی حضور ﷺ نے خفیہ طور سے کوئی بات ان سے کہی تو وہ رونے لگیں۔ پھر دوبارہ کوئی بات چپکے سے فرمائی تو ہنسنے لگیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں مجھ کو تعجب ہوا کہ ایک ہی جلسہ میں روتی بھی ہیں، ہنستی بھی ہیں ان کو کیا ہو گیا اور فرماتی ہیں کہ مجھے خیال ہوا کہ میں تو فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک بڑی عاقل جانتی تھی یہ تو معمولی عورت نکلیں۔ پھر دوسرے وقت اس کا سبب پوچھا کہ تم ایک ہی جلسہ میں روتی اور ہنستی کیوں تھیں تو انہوں نے فرمایا یہ حضور ﷺ کا ایک راز ہے جس کو میں ظاہر نہیں کر سکتی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کے وصال کے بعد پھر دریافت فرمایا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہاں اب بتلانے میں کوئی عذر نہیں۔ بات یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اول تو مجھ سے یہ فرمایا تھا کہ جبرائیل علیہ السلام ہر رمضان میں مجھ سے ایک بار قرآن کا دور کرتے تھے۔ اس سال دو مرتبہ کیا ہے۔ اس سے میں سمجھتا ہوں کہ میرا وقت قریب آگیا ہے۔ یہ سن کر تو میں رونے لگی۔ اس پر دوسری دفعہ آپ نے یہ فرمایا کہ اے فاطمہ! میرے متعلقین میں سب سے پہلے تم میرے پاس آؤ گی۔ یہ سن کر میں ہنسنے لگی۔

سو اوّل مفارقت دائمہ سے رونا آگیا، گو یہ معلوم ہوتا تھا کہ مفارقت دائمہ اس معنی کو نہیں ہے کہ میں اس عالم میں بھی جمع نہ ہوں گی۔ مگر پھر بھی رنج ہوا۔ مگر جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہو گیا کہ سب سے پہلے آپ کے پاس میں پہنچوں گی تو اس وقت اس کا ایسا غلبہ ہوا کہ باوجود بقائے مقتضائے غم کے سارا غم دھل گیا اور اس لایعود الینا پر نعود الیہ آ گیا۔ (ص ۶۸، ۶۹)

۸..... برزخ میں آپ کے یہ فضائل ثابت ہوتے ہیں۔ اعمال امت کا ملاحظہ فرمانا یہ حیات میں استعجاب کے

ساتھ نہ تھا۔ آپ کے جسد مبارک کا زمین پر حرام ہونا۔ حیات میں طبعیہ سے تاثر ہوتا تھا۔ قبر میں نماز پڑھنا یہ حیات میں ہر وقت نہ تھا۔ درود پڑھنے والوں کا آپ کو درود شریف پہنچانا یہ حیات میں غائبین کے لئے نہ تھا۔ خاص قبر شریف کا درود خود سننا حیات میں بعض مشاغل سماع قرب سے مانع بھی ہو جاتے تھے۔ آپ کے مزار شریف پر ہر ستر ہزار فرشتوں کا روزانہ حاضر ہونا یہ حیات میں معقول نہیں۔ (ص ۸۴)

۹...... اور اس وعظ کا نام ''المورد الفرشی فی المورد البرزخی'' رکھتا ہوں۔ اصل میں میں نے اس کا نام المولد البرزخ رکھنا چاہا تھا۔ کیوں کہ اس میں حضور ﷺ کی ولادت برزخیہ کا ذکر ہوا ہے۔ (ص ۹۲)

۱۰...... دوسرے جس عالم کی ولادت کا بیان اس میں کیا ہے۔ یعنی برزخ وہ بھی وسیع ہے۔ اس لئے اس کا نام المورد الفرشی فی المورد البرزخی مناسب معلوم ہوا۔ (ص ۹۲)

تحقیق حیات النبی ﷺ فی قبرہ

از علامہ انور شاہ صاحب رحمہ اللہ

''ان الانبیاء فی قبورھم اشکل علیھم مرادہ فالروح نفسھا حیاۃ لا فناء لھا، سواء کانت روح الکافر او المومن فالارواح کلھا احیاء فما معنی کون الانبیاء احیاء؟ فاعلم ان تلک الاحادیث لم ترد فی بیان حیاۃ نفس الروح ومدتھا لان حیاتھا مفروغۃ عنھا بل فی تعطلھا عن الافعال وعدمہ وحینئذ معناہ ان ارواح الانبیاء علیہم السلام لیست بمعطلۃ عن العبارات الطیبۃ والافعال المبارک بل ھم مشغولین فی قبورھم ایضاً کما کانوا مشغولین حین حیاتھم فی صلوۃ وحج وکذالک حال بعضھم علی قدر المراتب خلاف من کان معطلا عنھا فی حیاتہ فانہ یکون معطلا فی قبرہ ایضاً (ومن کان فی ھذہ اعمی) والی ھذا اشار بقولہ یصلون فذکر لھم عبادۃ لینبہ علی معنی حیاتھم فھم یصلون ویحجبون فی قبورھم ویفعلون افعال الاحیاء فھم احیاء بھذا معنی وھذا عرف عام یقال للمعطل عن الافعال انہ میت وان کان حیا العلم ان اصل الحیاۃ عبارۃ عن افعالھا وحقیقۃ الموت عن التعطل عنھا علی اوزان قولھم ان العلم حیاۃ والجھل موت ومن ھنا انحل حدیث آخر رواہ ابو داؤد فی رد روحہ ﷺ حین یسلم علیہ ﷺ لیس معناہ انہ یرد روحہ ای انہ یحیی فی قبرہ بل توجہ من ذالک الجانب الی ھذا الجانب۔ ثم الحیات فیھا مراتب لا یعدھا عاد''

(فیض الباری ج ۲ ص ۶۴، ۶۵)

حیات برزخی میں قوی تر انبیاء علیہم السلام ہیں

از حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ

''ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون'' اور جو لوگ اللہ کی راہ میں (یعنی دین کے واسطے) قتل کئے جاتے ہیں۔ ان (کی ایسی فضیلت ہے کہ ان) کی نسبت یوں بھی مت کہو کہ وہ (معمولی مردوں کی طرح) مردے ہیں بلکہ وہ لوگ (ایک ممتاز حیات کے ساتھ) زندہ ہیں۔ لیکن تم (ان) حواس سے (اس حیات کا) ادراک نہیں کر سکتے۔

فائدہ: ایسے مقتول کو شہید کہتے ہیں اور اس کی نسبت گویا کہنا کہ وہ مر گیا صحیح اور جائز ہے۔ لیکن اس کی موت کو دوسرے مردوں کی سی موت سمجھنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ بعد مرنے کو برزخی حیات ہر شخص کی روح کو حاصل ہے اور اس سے جزا و سزا کا ادراک ہوتا ہے۔ لیکن شہید کو اس حیات میں اور مردوں سے ایک گونہ امتیاز ہے اور وہ امتیاز یہ ہے کہ اس کی یہ حیات آثار میں اوروں سے قوی ہے۔ جس طرح انملہ یعنی سر انگشت میں ذکاء حس کہ آثار حیات سے ہے بہ نسبت عقب یعنی پاشنہ کے علاوہ وحسا قوی ہے کہ شہید کی اس حیات کی قوت کا ایک اثر بر خلاف معمولی مردوں کے اس کے جسد ظاہری تک بھی پہنچا ہے کہ اس کا جسد باوجود مجموعہ گوشت و پوست ہونے کے خاک سے متاثر نہیں ہوتا اور مثل جسد زندہ کے صحیح سالم رہتا ہے۔ جیسا کہ احادیث اور مشاہدات شاہد ہیں۔ پس اس امتیاز کی وجہ سے شہداء کو احیاء کہا گیا اور ان کو دوسرے اموات کے برابر اموات کہنے کی ممانعت کی گئی اور یہی حیات ہے جس میں حضرات انبیاء علیہم شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعد موت ظاہری کے سلامت جسد کے ساتھ ایک اثر اس حیات کا اس عالم کے حکام میں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ مثل ازواج احیاء کے۔ ان کی ازواج سے کسی کو نکاح جائز نہیں ہوتا اور ان کا مال میراث میں تقسیم نہیں ہوتا۔

پس اس حیات میں سب سے قوی تر انبیاء علیہم ہیں۔ پھر شہداء پھر اور معمولی مردے۔ البتہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اولیاء وصالحین بھی اس فضیلت میں شہداء کے شریک ہیں۔ سو مجاہدۂ نفس میں مرنے کو بھی معنی شہادت میں داخل سمجھیں گے۔ اس طور پر وہ بھی شہداء ہوئے یا یوں کہا جاوے کہ تخصیص شہداء عام مردوں کے اعتبار سے اضافی ہے۔ ان کے خواص کے اعتبار سے حقیقی نہیں اور اگر کسی شخص نے کسی شہید کی لاش کو خاک خوردہ پایا ہو کہ سمجھ لے کہ ممکن ہے کہ اس کی نیت خالص نہ ہو جس پر مدار ہے۔ قتل کے شہادت ہونے کا اور صرف قتل شہادت نہیں ہے اور اگر فرضاً ایسا شہید خاک خوردہ پایا جاوے جس کا قتل فی سبیل اللہ اور اس کا جامع شرائط شہادت ہونا دلیل قطعی تواتر وغیرہ سے ثابت ہو (جس کا شبہ صاحب روح المعانی کو ہو گیا ہے) تو اس کی وجہ میں کہا جائے گا کہ حدیث میں حرمت جسد شہید علی الارض وارد ہے غیر ارض سے غیر متاثر ہونا وارد نہیں ہے۔

چنانچہ دوسرے اجسام مرکبہ مثل اسلحہ وادویہ واغذیہ واخلاط واجسام بسطیہ مثل آب وآتش وباد کی تاثیر انبیاء علیہم کے اجسام میں ثابت ہے اور شہداء کی حیات بعد الممات انبیاء کی حیات بعد الممات سے اقویٰ نہیں اور بعض حصہ ارض میں بعض اجزاء غیر ارضیہ بھی شامل ہو جاتے ہیں جس طرح دوسرے عناصر میں مخالف عناصر شامل ہو جاتے ہیں۔ سو اگر ان اجزاء غیر ارضیہ سے اس کے اجساد متاثر ہو جائیں تو اس سے ان احادیث پر اشکال نہیں ہوتا۔ جن میں حرمت اجساد علی الارض وارد ہے اور ایک جواب یہ ہے کہ امتیاز اجساد شہداء کے لئے یہ بھی کافی ہے کہ دوسرے اموات سے زیادہ مدت تک ان کے اجساد خاک سے متاثر نہ ہوں۔ گو کسی وقت میں ہو جائیں اور احادیث سے یہی امر مقصود کہا جاوے کہ ان کو محفوظیت اجساد کے خارق عادت ہے اور خرق عادت دونوں صورتیں ہیں۔

حفظ مؤبد اور حفظ طویل اور چوں کہ برزخ حواس سے مدرک نہیں۔ اس لئے لا تشعرون فرمایا گیا۔

(بیان القرآن)

آپ (سرکار دو عالم ﷺ) کے عالم برزخ میں تشریف رکھنے کے متعلق بعض احوال وفضائل

از حکیم الامت حضرت اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

۱...... ابن المبارک نے حضرت سعید بن المسیب سے روایت کی ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہے کہ نبی ﷺ پر آپ کی امت کے اعمال صبح وشام پیش نہ کئے جاتے ہوں۔ (کذا فی المواہب)

۲...... مشکوۃ میں حضرت ابوالدرداء سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسد کو کھا سکے۔ پس خدا کے پیغمبر زندہ ہوتے اور ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ (اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا)

فائدہ: (تشریح) پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا اور یہ رزق اس عالم (برزخ) کے مناسب ہوتا ہے اور گو شہداء کے لئے بھی حیات اور مرزوقیت وارد ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام میں ان سے اکمل واقویٰ ہیں۔

۳...... بیہقی وغیرہ نے حدیث انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ (کذا فی المواہب)

فائدہ: (تشریح) یہ نماز تکلیفی نہیں بلکہ تلذذ کے لئے اور اس حیات سے یہ نہ سمجھا جائے کہ آپ کو ہر جگہ سے پکارنا جائز ہے۔ کیوں کہ مشکوۃ میں بیہقی سے بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ خود حضور ﷺ کا ارشاد مروی ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے۔ اس کو میں خود سن لیتا ہوں اور جو شخص دور سے درود بھیجتا ہے۔ وہ مجھ کو پہنچایا جاتا ہے۔ یعنی بذریعہ فرشتوں کے جیسا کہ مشکوۃ ہی میں نسائی اور دارمی سے بروایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ آپ کا ارشاد مروی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کچھ ملائکہ زمین میں سیاحت کرنے والے مقرر ہیں کہ میری امت کی طرف سے مجھ کو سلام پہنچاتے رہتے ہیں۔

۴...... مشکوۃ میں منبہ بن وہب سے روایت ہے کہ کعب الاحبار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور حاضرین نے رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا تو حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کوئی دن ایسا نہیں آتا جس میں ستر ہزار فرشتے نہ آتے ہوں۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر کو بازو مارتے ہوئے احاطہ کر لیتے ہیں کہ آپ پر درود پڑھتے ہیں یہاں تک کہ جب شام ہوتی ہے وہ آسمان پر چڑھ جاتے ہیں اور دوسرے فرشتے اسی طرح کے اور اترتے ہیں اور ایسا ہی کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب (قیامت کے دن) زمین قبر کی شق ہو گی تو آپ ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ باہر تشریف لائیں گے کہ وہ آپ کو لے کر چلیں گے۔ روایت کیا اس کو دارمی نے۔

فائدہ: (تشریح) اس سے آپ کا شرف عظیم برزخ میں ظاہر ہے۔

۵...... مشکوۃ المصابیح میں ابوداؤد وبیہقی سے بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد نبوی نقل کیا ہے کہ جو شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح کو واپس کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

فائدہ: (تشریح) اس سے حیات میں شبہ نہ کیا جائے۔ کیوں کہ مراد یہ ہے کہ میری روح جو ملکوت ودربار رب میں مستغرق تھی جس طرح کہ دنیا میں نزول وحی کے وقت کیفیت ہوتی ہے۔ اس سے افاقہ ہو کر سلام کی طرف متوجہ ہو جاتا ہوں۔ اس کو رد روح سے تعبیر فرما دیا۔ (کذا فی اللمعات تلخیص)

مجموعہ روایات سے علاوہ فضیلت حیات واکرام ملائکہ کے برزخ میں آپ کے یہ مشاغل ثابت ہوتے ہیں۔ اعمال امت کا ملاحظہ فرمانا، نماز پڑھنا، غذا مناسب اس عالم کے نوش فرمانا، سلام کا سننا، نزدیک سے خود اور دور سے بذریعہ ملائکہ سلام کا جواب دینا۔ یہ تو ثابت ہیں اور احیاناً بعض خواص امت سے یقظہ میں آپ کا کلام اور ہدایت بھی آثار واخبار میں مذکور ہے اور حالات رؤیت وکشف میں تو ایسے واقعات حصر واحصاء سے متجاوز ہیں اور ان مشاغل کے ایک وقت میں اجتماع سے تزاحم کا وسوسہ نہ کیا جائے۔ کیوں کہ برزخ میں روح کو پھر خصوصاً روح مبارک کو بہت وسعت ہوتی ہے۔ مگر اس وسعت نے امور غیر ثابتہ بالدلیل الصحیح یعنی منفیہ یا مسکوت کو ثابت یا ثابتا احیاناً کو ثابت بالدوام ماننا جائز نہیں ہوگا۔ خوب سمجھ لیا جائے۔ (از نشر الطیب ص ۲۹۹ تا ۳۰۱ مطبوعہ تاج کمپنی کراچی)

وفات کے بعد حضور ﷺ کی حیات شہداء کی حیات سے اکمل ہے

از شیخ الحدیث مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ

مکرمی! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

"قد كتبت فى (اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۳۳۴) تحت حديث ابى هريرة ان رسول الله ﷺ قال: ما من احد يسلم علىّ الا ردّ الله علىّ روحى حتى اردّ عليه السلام رواه ابو داؤد بسند صحيح قال الخفاجى والذى يظهر فى تفسير الحديث من غير تكلف ان الانبياء والشهداء احياء وحياة الانبياء اقوى واذا لم يسلط عليهم الارض فهم كالنائمين والنائم لا يسمع ولا ينطق حتى ينتبه كما قال الله تعالى والتى لم تمت فى منامها (اى يتوفى الله التى لم تمت فى منامها) فالمراد بالرد الارسال الذى فى الاية فمعناه انه اذا سمع السلام يتيقظ ويرد السلام لا ان روحه تقبض ثم ينفخ وتعاد فلا اشكال اصلاً كما فى عون المعبود (ج ۲ ص ۱۷۰) فلا دلالة فيه على عدم استقرار الحياة كما زعمه بعضهم وقد ورد التصريح بسماعه ﷺ سلام الزائر فى الخبر۔ رواه جماعة عن ابى هريرة بلفظ من صلى علىّ عند قبرى سمعته ومن صلى علىّ نائياً ابلغته وفى لفظ بلغونيه۔

قال السبكى وسياتى مايدل على انه ﷺ يسمع من يسلّم عليه عند قبرى يرد عليه عالماً بحضوره وكفى بهذا فضلاً حقيقياً بان ينفق فيه مالك الدنيا حتى يتوصل اليه من اقطار الارض۔ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۴) ولا شك فى حياته ﷺ بعد وفاته اكمل من حياة الشهداء التى اخبر الله تعالى بها فى كتاب العزيز ونبينا ﷺ سيد الانبياء وسيد الشهداء واعمال الشهداء فى ميزانه وقد قال ﷺ علمى بعد وفاتى كعلمى فى حياتى۔ رواه الحافظ المنذرى وروى ابن عدى فى كامله عن ثابت عن انس قال قال رسول الله ﷺ الانبياء احياء فى قبورهم يصلون ورواه ابو يعلى برجال ثقات۔ (رواه البيهقى وصححه وروى ابن ماجه باسناد جيد فى حديث طويل ان الله حرّم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء عليهم فنبى الله حى يرزق۔ هذا لفظ ابن ماجه وحاصله ان الانبياء ليسوا كغيرهم من بنى آدم اذا ماتوا ينقطع عملهم بل عملهم دائم بعد الموت ايضاً والله تعالى اعلم هذا اما عندى فى هذا الباب واما البحث عن كيفية هذا الحياة انما برزخية او دنيوية فلا يسئل عنها يوم القيامة ولا فى القبر وانما اشتغل علماء پاكستان بهذا لفراغهم المباحث السياسية ولا

یسمعهم ولا یدیهم من شغل فاشتغلوا بما لا یعنیهم ولا شک فی انه ﷺ قد مات کما اخبر به الصدیق فی خطبته حین وفاته ﷺ وقال الا من کان یعبد محمداً فان محمداً قد مات ومن کان یعبد الله فان الله حی لا یموت ثم تلا وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم الایة ولا شک ان من زار قبره ﷺ ورد النبی ﷺ سلامه لا یکون کمثل من سلم علیه فی حیاته الدنیویه ولا یکون بهذا السلام والجواب صحابیا وان کان کمثلهم فی بعض الوجوه کما فی روایة ابن عمر مرفوعاً من حج فزار قبری بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی وصحبنی تکلم ابن عساکر فی لفظ صحبنی وانکر ورد علیه السبکی وقال لم ینفرد به ابن الطیب فقد رواه کذالک ابن عدی فی کامله من طریق الحسن بن سفیان عن علی بن حجر بالسنة المتقدم والتشبیه من کل وجه قلت بل التشبیه من صحبنی کالتشبیه فی قوله کمن زارنی فی حیاتی ولا شک ان بزیارة القبر لا یکون احد صحابیاً وهو مجمع علیه۔ والله اعلم!

ظفر احمد العثمانی التھانوی عفی اللہ عنہ"

۲۲ / جمادی الاوّل ۱۳۷۹ھ

ترجمہ: مکرمی وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

۱...... (اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۳۳۴) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میرے روح کو میرے جسم میں لوٹاتے ہیں اور میں اس سلام بھیجنے والے کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔ انتھی!

۲...... خفاجی کہتے ہیں کہ حدیث کی تفسیر سے بلاتکلف یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ انبیاء اور شہداء دونوں زندہ ہیں لیکن انبیاء کی حیاۃ شہداء کی حیات سے اقوی ہے۔ پس جب زمین ان پر مسلط نہیں تو وہ نائمین کی طرح ہیں اور ظاہر ہے کہ نائم نہ سنتا ہے اور نہ بولتا ہے۔ جب تک کہ اس کو خبردار اور متنبہ نہ کیا جائے۔ جیسے نائمین کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وہ اللہ جو نیند میں موت نہیں دیتا۔ یعنی وہ روح حالت نوم میں مرتی نہیں اور بالکل تعلق جدا نہیں ہوتا۔ ورنہ نائم نائم ہی نہ رہے گا۔ اگر روح کا تعلق نائم سے ختم ہو جائے تو حالت نوم میں روح کا تعلق رہتا ہے۔ اب روح کے لوٹانے سے مراد یہ ہوگی کہ حالت نوم سے حضور کو حالت بیداری میں لایا جاتا ہے نہ کہ ان کی روح کو قبض کر کے پھر دوبارہ لوٹایا جاتا ہے بلکہ نیند کے مشابہ ہے کہ جیسے نائم کو کوئی چیز سنانے کے لئے بیدار کیا جاتا ہے۔ یہی کیفیت نبی علیہ السلام کی قبر میں ہے۔ پس کوئی شک نہیں کہ نبی علیہ السلام زندہ ہیں۔ کذا فی (عون المعبود ج ۲ ص ۱۷۰) پس نبی علیہ السلام کی حیاۃ کے عدم استمرار پر کوئی دلالت ثابت نہیں ہوتی۔ جب کہ بعض کا خیال ہے کہ استمرار حیاۃ ثابت نہیں ہے۔ حالاں کہ حضور کے سماع کی تصریح ثابت ہے۔ جو ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ میری قبر کی زیارت کرنے والا جب میری قبر کے قریب سے مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اس کو میں سنتا ہوں اور اگر کوئی مجھ پر دور سے سلام بھیجے تو وہ سلام مجھ پر فرشتوں کے ذریعہ پہنچایا جاتا ہے۔

اس پر علامہ سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث سے یہ ثابت ہو گیا کہ جو شخص نبی ﷺ پر ان کی قبر مبارک کے قریب سے درود پڑھے تو حضور اس کے درود اور سلام کو سنتے اور اس کا جواب دیتے ہیں۔ پس یہ کتنا بڑا فضل ہے کہ حضور ﷺ کی قبر کے قریب جا کر درود و سلام پڑھا جائے تو آدمی کو چاہئے کہ کتنا ہی مال کیوں خرچ نہ کرنا پڑے لیکن اس فضل کو ضرور حاصل کرے اور اپنا درود اور سلام نبی ﷺ کو سنائے اور جواب حاصل کرے۔ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۲۰۴)

اس میں کوئی شک نہیں کہ وفات کے بعد حضور ﷺ کی حیات شہداء کی حیات سے اکمل ہے جیسا کہ اللہ نے شہداء کی حیات کے متعلق قرآن میں خبر دی ہے۔ حضور ﷺ تو شہداء اور انبیاء دونوں کے سردار ہیں۔ جب شہداء کی حیات ثابت تو آنحضرت ﷺ کی بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگی اور حضور ﷺ نے خود فرمایا کہ میرا علم موت کے بعد بھی ایسا ہوگا جیسے موت سے قبل۔ اس کو حافظ منذری نے روایت کیا ہے۔

اور ابن عدی نے اپنی کتاب کامل میں بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں اور اس کو ابویعلی نے ثقہ راویوں کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس کو بیہقی نے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے کہ اللہ نے زمین پر حرام کر دیا کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے۔ پس اللہ کا نبی زندہ ہے اور اسے رزق دیا جاتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ انبیاء دوسرے بنی آدم کی طرح نہیں کہ مرنے کے بعد ان کے اعمال منقطع ہو جائیں بلکہ انبیاء کے اعمال ہمیشہ موت کے بعد بھی باقی رہتے ہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

حیات النبی ﷺ کے بارے میں جو کچھ ہے میں نے اپنے خیال سے لکھ دیا ہے۔ اب یہ بحث کرنا کہ حیات برزخی ہے یا حیات دنیوی کی کیفیت کیا ہے تو ہمیں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہئے اس لئے کہ ہم سے قبر میں یا قیامت کو حضور ﷺ کی حیات کے بارے میں سوال نہیں ہوگا۔ علماء پاکستان جو اس مسئلہ میں بحث کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ ان کو کوئی دوسرا مشغلہ سیاسیات وغیرہ درپیش نہیں ورنہ یہ کوئی اہم مسئلہ نہیں تھا کہ اس قدر طول دیا جاتا اور اسے متنازعہ فیہ بنا دیا جاتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور دنیا سے وفات پا چکے ہیں جیسا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا ہے کہ ”خبردار جو کوئی محمد ﷺ کی عبادت کرتا ہے تو وہ یقیناً وفات پا گئے ہیں اور جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اللہ زندہ ہے کبھی نہ مرے گا۔ پھر آیت و ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل کی تلاوت فرمائی۔

اس میں شک نہیں کہ جو شخص نبی علیہ السلام کی قبر کی زیارت کرے اور ان پر سلام کہے ان کا سلام ایسا نہیں ہے کہ جیسا وہ نبی علیہ السلام کو حالت حیاۃ دنیوی میں کرتا ہے اور نہ ہی اس سلام اور جواب سے سلام کرنے والا صحابی بن سکتا ہے۔ اگرچہ بعض وجوہ نے حیات برزخی حیات دنیوی کے مثل ہے۔ لیکن بالکلیہ حیات دنیوی غلط ہے۔ جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے میری قبر کی میری موت کے بعد زیارت کی گویا کہ اس نے میری زیارت کی اور میری صحبت کی۔ ابن عساکر نے صحبتی کے لفظ پر کچھ کلام کیا ہے اور اس کو نہیں مانا۔ علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ ابن عساکر کی تردید کے لئے صحبتی کو ثابت کرتے ہیں۔ بہرحال زارنی بھی صحبتی کے معنی میں ہے تو جب زیارت سے کوئی شخص صحابی نہیں ہو سکتا تو حیاۃ دنیوی بھی ثابت نہیں ہو سکتی۔ واللہ اعلم بالصواب! ظفر احمد عثمانی عفی اللہ عنہ

۲۲ / جمادی الاوّل ۱۳۷۹ھ

مسئلہ حیات النبی ﷺ کے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ

از مولانا محمد منظور نعمانی (ماہنامہ الفرقان بابت جمادی الاوّل ۱۳۵۸ھ ج ۶، ش ۵)

کیا رسول اللہ ﷺ پر ایک لمحہ کے لئے بھی موت طاری نہیں ہوئی؟

پٹی ضلع لاہور سے ایک صاحب لکھتے ہیں: کسی کا یہ خیال کہ حضرت رسول خدا ﷺ پر ایک لمحہ کے لئے بھی

موت طاری نہیں ہوئی اور ایک لحظہ کے لئے بھی روح مبارک جسد اطہر سے جدا نہیں ہوئی۔ کہاں تک صحیح ہے۔ الفرقان کی قریبی اشاعت میں اس مسئلہ کی تحقیق فرما کر ممنون فرمایا جائے۔

تحقیق

یہ خیال غلط اور نصوص قرآن اور حدیث کے خلاف ہے اور شاید ایسا خیال کرنے والوں کو مسئلہ حیات النبی ﷺ کی حقیقت سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ ورنہ آنحضرت ﷺ پر موت کا نفس ورود ایک ناقابل انکار بلکہ ناقابل شک وریب حقیقت ہے۔ قرآن مجید میں صاف لفظوں میں ارشاد فرمایا گیا ہے "کل نفس ذائقة الموت" (ترجمہ) ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور خاص طور پر رسول اللہ ﷺ ہی کے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے "انک میت و انهم میتون" (زمر) اے رسول آپ کو بھی ضرور موت سے دوچار ہونا ہے اور وہ بھی یقیناً مرنے والے ہیں۔ پھر احادیث اس باب میں بکثرت ہیں۔ ازاں جملہ حضور ﷺ کے آخری وقت کے بیان میں حضرت عائشہ صدیقہ ﷞ کی یہ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے اس وقت لکڑی کے ایک پیالہ میں پانی تھا آپ بار بار اس میں ہاتھ ڈال کر چہرہ مبارک پر پھیرتے تھے اور فرماتے جاتے تھے "لا الہ الا اللہ ان للموت سکرات" (اللہ تعالیٰ) کے سوا کوئی معبود نہیں بے شک موت کی کچھ سختیاں ہیں)

حضرت صدیقہ فرماتی ہیں: "ثم نصب یده فجعل یقول فی رفیق الاعلی حتی قبض و مالت یده" پھر آپ نے اپنا ہاتھ اوپر کی جانب اٹھایا اور فرماتے تھے رب رفیق علیٰ ہیں۔ یہاں تک کہ روح مبارک قبض کر لی گئی اور آپ کا ہاتھ نیچے آ گیا۔ (صحیح بخاری)

اور نیز حضرت عائشہ ﷞ و حضرت عبداللہ بن عباس ﷠ سے مروی ہے دونوں فرماتے ہیں:

"قالا لما قبض رسول الله ﷺ غسل اختلفوا فی دفنه فقال ابوبکر ما نسيت ما سمعت من رسول الله ﷺ یقول ما قبض الله نبیاً الا فی الموضع الذی یحب ان یدفن فیه ادفنوه فی موضع فراشه" جب رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک قبض کر لی گئی اور آپ کو غسل دے لیا گیا تو مقام دفن کے بارہ میں اختلاف آراء ہو گیا۔ اس وقت صدیق اکبر ﷛ نے فرمایا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث سنی تھی جس کو میں اب تک نہیں بھولا ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ پیغمبروں کی روح وہیں قبض کراتے ہیں جہاں وہ دفن ہونا چاہتے ہیں۔ لہٰذا حضور ﷺ کو آپ بستر مبارک ہی کی جگہ پر دفن کرنا چاہئے۔ (الترمذی، مجمع الزوائد)

اور صحیح بخاری و شمائل ترمذی حضرت انس ﷛ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر آخری وقت کی تکلیف شروع ہوئی تو حضرت سیدہ فاطمہ ﷞ کی زبان سے نکلا "واکرباه" (ہائے کیسی بے چینی ہے) تو حضور ﷺ نے ان سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا: "لا کرب علی ابیک بعد الیوم انه قد حضر من ابیک ما لیس الله تبارک احداً" بیٹی آج کے بعد تمہارے باپ کو کوئی تکلیف ہونی نہیں ہے۔ اب تمہارے باپ کے لئے وہ وقت آ گیا ہے جس سے اللہ پاک کسی کو بھی مستثنیٰ کرنے والے نہیں۔ (الحدیث)

اور وفات نبوی کے بعد حضرت صدیق اکبر ﷛ نے جو کچھ اس باب میں ارشاد فرمایا وہ تو نصوص قرآن وحدیث کے بعد اس بارہ میں فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے۔ ازاں جملہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ ﷞ کی

روایت سے یہ حدیث ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو وفات نبوی کی خبر پہنچی تو آپ سیدھے حضور کے پاس آئے پہلے پیشانی مبارک کو بوسہ دیا، پھر آنسو گراتے ہوئے کہا: "بابی انت وامی لا یجمع اللہ علیک موتتین اما الموتۃ التی کتبت علیک فقد متھا" آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کو دو دفعہ موت نہ دے گا جو موت آپ کے لئے مقدر ہو چکی تھی وہ بہرحال آپ پر وارد ہو چکی۔

(غالباً) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقصد اس سے ان لوگوں کو تردید کرنا تھا جو اس وقت یہ سمجھ رہے تھے کہ حضور ﷺ کی یہ وفات آخری وفات نہیں ہے بلکہ عنقریب آپ اٹھیں گے اور فلاں فلاں کاموں کی تکمیل جب خود آپ کے ہاتھوں سے ہو جائے گی۔ اس کے بعد آپ کو آخری وفات آئے گی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس خیال کی تردید یوں فرمائی کہ ایسا نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر دو دفعہ موت وارد کرے۔ آپ کے لئے بھی ایک ہی موت مقدر تھی جو ہو گئی۔

ایک دوسرا مطلب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر عوام الناس کے لئے دو موتیں ہیں۔ پہلی دفعہ دنیا میں ان پر موت وارد ہوتی ہے۔ پھر قبر میں نکیرین کے سوال وجواب کے وقت ان کو زندہ کر دیا جاتا ہے اور اس سے فراغت کے بعد پھر دوبارہ ان پر موت طاری کر دی جاتی ہے۔ لیکن رسول پاک ﷺ کے لئے صرف اسی دنیا کی ایک موت مقدر تھی جو آپ پر وارد ہو گئی۔ اس کے بعد جب قبر مبارک میں آپ کو حیات بخشی جائے تو وہ برابر قائم رہے گی اور عوام الناس کی طرح ان پر دوبارہ موت طاری نہیں ہوگی۔ (واللہ اعلم)

اور صحیح بخاری ودیگر صحاح میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے کہ وفات نبوی کے دن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے خیال کے مطابق قسم کھا کھا کر فرما رہے تھے کہ "واللہ ما مات رسول اللہ ﷺ" تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کو خاموش کر کے خطبہ دینا شروع کیا جس میں خدا کی حمد وثنا کے بعد فرمایا: "من کان یعبد محمداً فان محمداً قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حیٌ لا یموت وقال انک میت وانھم میتون وقال تعالیٰ وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئا وسیجزی اللہ الشاکرین"

جو حضرت محمد ﷺ کو پوجتا تھا اس کو معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت وفات پا گئے اور جو اللہ کا پرستار ہو تو اللہ تعالیٰ بے شک ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اس کے لئے موت نہیں۔ (پھر وفات نبوی ﷺ کے ثبوت میں آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:) اے رسول آپ کو موت آنی ہے اور (آپ کے) یہ (بدخواہ دشمن بھی) مرنے والے ہیں (نیز حضرت صدیق اکبر نے یہ آیت بھی تلاوت فرمائی کہ محمد بس رسول ہی تو ہیں (کوئی حی وقیوم خدا تو ہیں نہیں) تو کیا اگر وہ وفات پا جائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو تم الٹے پاؤں گمراہی کی طرف پلٹ جاؤ گے اور یاد رکھو جو بھی اس طرح پلٹے گا تو وہ خدا کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا (بلکہ خود اپنے کو برباد کرے گا) اور اللہ تعالیٰ اپنے شاکر بندوں کو ثواب دے گا۔

پھر واضح رہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ خطبہ صحابہ کرام کے بھرے مجمع میں دیا تھا اور کسی نے اس کے کسی جز پر کوئی تنقید نہیں کی بلکہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس بصیرت افروز بیان نے خود میری آنکھیں کھول دیں اور میں نے اپنی غلطی کو محسوس کر لیا۔

گویا ایک طرف تو یہ مسئلہ کہ حضور اقدس ﷺ پر خدا کے عام قانون "کل نفس ذائقۃ الموت" کے

ماتحت موت طاری ہوئی، نصوص قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور دوسری طرف گویا صحابہ کرام کا اس پر اجماع بھی ہے۔ لہٰذا سوال میں کسی کا جو خیال ذکر کیا گیا ہے اس کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں ہے اور جیسا کہ عرض کیا گیا تھا غالباً ان صاحب کو یہ غلط فہمی مصنفین کے کلام میں مسئلہ حیات النبی کی مراد نہ سمجھنے کے باعث ہوئی ہے۔ شاید انہوں نے یہ سمجھا ہے کہ علماء کرام جو حیات النبی ﷺ کے قائل ہیں۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ حضور پر موت وارد ہی نہیں ہوئی۔ حالاں کہ ان کا منشا یہ نہیں ہے بلکہ ان حضرات کی مراد یہ ہے کہ اس موت کے بعد حضور اقدس کو حیات بخش دی گئی ہے۔ غالباً متقدمین امام بیہقی پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے مسئلہ حیات الانبیاء پر مستقل رسالہ لکھا ہے اور اس میں اس مسئلہ کے متعلق تمام احادیث کو جمع کیا ہے انہوں نے خود اس کی تشریح اس طرح کی ہے۔

''وقال البیھقی ان الانبیاء بعد ما قبضوا ردّت الیھم ارواحھم فھم احیاء عند ربھم کالشھداء''

کہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح وفات کے بعد ان میں لوٹا دی گئیں ہیں۔ وہ اللہ کے یہاں زندہ ہیں جیسے کہ شہداء کرام۔

(زرقانی شرح مواہب ج ۵ ص ۳۳۳)

پھر بعد کے دور میں جن اکابر علماء نے اس مسئلہ پر خاص توجہ کی ہے ان میں ایک جلیل القدر شخصیت علامہ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ آپ نے اپنی مشہور تصنیف ''شفاء السقام'' میں حیات الانبیاء پر ایک مستقل باب لکھا ہے۔ جس میں پوری قوت کے ساتھ مسئلہ کا ثبوت دینے کے بعد خود ہی یہ شبہ وارد کیا ہے کہ:

قرآن عزیز صاف حضور ﷺ کی موت کا اعلان کر رہا ہے (انک میت وانھم میتون) اور خود حضور ﷺ فرماتے ہیں ''انی مقبوض'' (یعنی میں قبض کیا جاؤں گا) اور حضرت ابوبکر صدیق فرماتے ہیں کہ ''ان محمداً قد مات'' (یعنی حضور اقدس وفات پا گئے) اور ساری امت کا اجماع ہے کہ آپ کے متعلق موت کا لفظ بولا جا سکتا ہے؟ پھر خود ہی جواب دیتے ہیں ''یقال انہ موت غیر مستمر وانہ احی بعد الموت'' (شفاء السقام ص ۱۴۳) جواب میں کہا جائے گا کہ یہ موت غیر مستمر ہے اور حضور کو اس موت کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے حیات عطا فرما دی۔

بہرحال حیات انبیاء کا یہ مطلب کسی کے نزدیک بھی نہیں ہے کہ موت قطعاً طاری نہیں ہوئی۔ بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ وفات کے بعد ان حضرات کو پھر حیات بخش دی جاتی ہے اور ان کے اجسام مبارکہ صحیح سالم اور محفوظ رہتے ہیں جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔ ھذا ھو الجواب ویتوب اللہ علی من تاب! محمد منظور نعمانی عفی عنہ

انبیاء کی حیات برزخی اقویٰ اور اکمل ہے

از شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف بنوری المدرسہ العربیہ الاسلامیہ کراچی

مکرمی! مسئلہ دراصل بالکل واضح تھا، لیکن بحث ومناظرہ نے بدیہی کو نظری بنایا۔ اکابر دیوبند کا متفقہ مسلک ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے برزخ میں ایسی حیات حاصل ہے جو اپنی قوت وکمال میں دنیوی حیات کے مماثل ہے۔ بلکہ اس حیات سے اقویٰ ہے اور جسد مبارک پر روح کی کیفیت طاری ہوتی ہے جس کی وجہ سے صلاۃ، حج، انتقال مکانی میں کوئی صعوبت نہیں۔ البتہ ہمیں اس کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ اس کا تعلق عالم غیب سے ہے۔ اگر کسی نے صرف حیات برزخی کہا ہے تو ان کا مقصد بھی یہی ہے کہ دنیا مشاہد اور آخرت کے درمیان جو موطن ہے، اس کا نام برزخ ہے۔

حیات برزخی شہداء یا عامۃ الناس کے لئے ہونے سے مراتب کا اتحاد ضروری نہیں بلکہ تفاوت یقینی ہے۔ انبیاء کی حیات برزخی چوں کہ اقویٰ اکمل ہے اور بعض جہات سے دنیا سے بھی اقویٰ ہے۔ اس لیے بعض حضرات نے اس پر دنیوی کا اطلاق بھی کر دیا ہے اور بعض نے دنیویہ برزخیہ کا اطلاق کیا ہے اور عام حضرات نے صرف برزخی کے لفظ پر اکتفا کیا ہے۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے جس انداز سے آب حیات میں تقریر فرمائی ہے وہ بھی متفرد نہیں ہیں بلکہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ امام الحرمین قرن خامس میں کہہ چکے ہیں اس کے بعد قرطبی محدث اور امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح کی ہے۔ اس وقت اتنا لکھ سکتا ہوں۔ والموضوع واسع یحتاج الی فرصۃ اوسع! والسلام

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ ۲۹ رجمادی اولیٰ ۹۷ ۱۳ھ

حضور اقدس ﷺ کے وصال کا ذکر

از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الجامعہ مظاہر علوم سہارن پور (یوپی)

حضور ﷺ کے مرض کی ابتداء سر کے درد سے ہوئی۔ اس روز حضور اقدس ﷺ حضرت عائشہ کے مکان میں تھے۔ اس کے بعد حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی باری کے دن میں مرض کی شدت پیدا ہوئی۔ اسی حالت میں حضور ﷺ بیبیوں کی تقسیم پوری فرماتے رہے۔ مگر جب مرض میں زیادہ شدت ہوگئی تو حضور ﷺ کے ایماء پر تمام بیبیوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر بیماری کے ایام گزارنے کو اختیار کر لیا تھا۔ اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دولت کدہ پر حضور ﷺ کا وصال ہوا۔ کل مدت مرض بارہ یا چودہ ایام ہے اور دوشنبہ کے روز چاشت کے وقت وصال ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ وصال دوشنبہ کے روز ہوا اور چاشت کے وقت ہوا۔ اس کے خلاف جو روایت ہوگی اس کی توجیہ کی ضرورت ہوگی۔

۱...... حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے جس وقت حضور ﷺ کا آخری دیدار نصیب ہوا، وہ وقت تھا جب کہ حضور ﷺ نے مرض الوفات میں دوشنبہ کے روز صبح کی نماز کے وقت دولت کدہ کا پردہ اٹھایا کہ امتیوں کی نماز کا آخری معائنہ فرمالیں۔ اس وقت آپ کا چہرہ مبارک صفائی اور انوار اور چمک میں گویا مصحف شریف کا ایک پاک صاف ورق تھا۔ لوگ اس وقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں صبح کی نماز ادا کر رہے تھے (صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کو دیکھ کر فرط خوشی میں) پیچھے ہٹنے لگے۔ اس خیال سے کہ شاید آپ تشریف لاتے ہوں۔ اس لئے کہ اس سے پہلے بھی بیماری کے ایام میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے رہے اور جس وقت حضور ﷺ کو افاقہ ہوتا تھا تشریف لا کر جماعت میں شرکت فرماتے تھے) حضور ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ کھڑے رہو اور اسی دن وصال ہو گیا۔

فائدہ: (تشریح) یہ وہی دوشنبہ کے روز کا آخری نظارہ ہے جس پر حضور اقدس ﷺ نے یہ اندازہ فرمایا کہ نظام شرعی قائم ہو گیا اور قدیمی رفیق ابوبکر رضی اللہ عنہ نیابت کا حق ادا کر دے گا اور امت کا بوجھ سنبھال لے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جس کو دنیا کی آنکھوں نے دیکھ لیا کہ حضور کے انتقال کا حادثہ جس کے سامنے دنیا کے سارے ہی حوادث کالعدم اور لاشے ہیں اور اس کے ساتھ ہی ارتداد کا فتنہ اور ساری دنیا کا مقابلہ لیکن اس کو استقلال سے سب ہی نے

برداشت کیا اور پتھر کی چٹان سے زیادہ سخت بن کر ہر ٹکراؤ کو پاش پاش کر دیا۔ حق یہ ہے کہ نیابت کا حق ادا کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا اسلامی ستون کہ دوست و دشمن سب ہی ان کی بہادری، شجاعت، قوت کی دھاک مانتے تھے، وہ بھی نرمی کی درخواست کریں، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کو بزدلی کا طعنہ دیں۔

۲...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وصال کے وقت میں نے حضور عالی ﷺ کو اپنے سینے پر سہارا دے رکھا کہ آپ نے پیشاب کے لئے طشت منگایا اور پیشاب سے فراغت حاصل کی، اس کے بعد وصال ہو گیا۔

فائدہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہ مفاخر میں ہے کہ آخری تلبس ان کو حاصل ہوا۔ حضور ﷺ جب دنیا سے تشریف لے گئے اور وصال ربی حاصل ہوا تو سر مبارک ان کی گود میں تھا۔

۳...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وصال کے وقت حضور اقدس ﷺ کے قریب ایک پیالہ میں پانی رکھا ہوا تھا کہ اس میں حضور ﷺ بار بار ہاتھ ڈالتے تھے اور چہرہ مبارک پر پھیرتے تھے (کہ یہ شدت حرارت اور گھبراہٹ کے سکون کا سبب ہوتا ہے) اس وقت حضور ﷺ بارگاہ الٰہی میں یہ دعا فرما رہے تھے کہ "یا اللہ موت کے شدائد پر میری امداد فرما۔"

فائدہ: یہ ایک جانب امت کو تعلیم ہے تو دوسری جانب نزع کے وقت جب روح بدن سے نکل رہی ہو نہایت ثبات اور استقلال اور اللہ جل جلالہٗ کی طرف عنایت توجہ کا مظہر ہے کہ نزع کے وقت جب کہ روح بدن سے جدا ہو رہی ہو، تکلیف کا ہونا طبعی اور فطری امر ہے۔ اس وقت اللہ سے استدعا اور سہولت کی طلب تھی۔

۴...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی شدت تکلیف کے بعد اب مجھے کسی شخص کے مرض موت میں تکلیف نہ ہونے پر رشک نہیں ہوتا۔

فائدہ: اس لئے کہ شدت مرض گناہوں کے سکوت اور مرتبت کے بلند ہونے کا سبب ہوتا ہے اور مرض کی شدت پیام اجل ہونے کی وجہ سے استغفار کی کثرت اور موت کی تیاری کا ذریعہ ہے۔

۵...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: حضور ﷺ کے وصال کے وقت آپ کے دفن میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہوا۔ (کسی نے مسجد نبوی کو پسند کیا اور کسی نے آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے قرب کی وجہ سے بقیع کو۔ کسی کا خیال جد اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مدفن پر پہنچانے کا ہوا تو کسی کا وطن اصلی مکہ مکرمہ واپس لانے کا۔ غرض مختلف رائیں ہو رہی تھیں) کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے خود حضور اقدس ﷺ سے ایک بات سنی ہے کہ مجھے خوب محفوظ ہے کہ انبیاء کا وصال اسی جگہ ہوتا ہے جہاں ان کا دفن ہونا پسندیدہ ہو۔ اس لئے حضور ﷺ کو آپ کے وصال ہی کی جگہ دفن کرنا چاہئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ (بعض باعظمت اور قوی القلب آدمی بھی باایں فضل و کمال اور بدیں شجاعت ہمت تحمل نہ فرما سکے اور از خود رفتہ ہو کر برہنہ تلوار لے کر کھڑے ہو گئے اور یہ فرمانے لگے کہ واللہ (حضور ﷺ کا وصال نہیں ہوا) جو شخص یہ کہے گا کہ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا ہے اس کی گردن اڑا دوں گا۔ کیوں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو کسی نبی کی وفات کا پہلے تجربہ نہ تھا کہ اس سے پہلے کوئی نبی ان میں نہیں تھا اور عام طور سے ایسے بھی تھے کہ پہلے انبیاء کی کتب اور حالات بھی نہ پڑھ سکے تھے۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد پر سب ساکت ہو گئے کہ ممکن ایسا ہی ہو۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے سالم سے کہا کہ حضور ﷺ کے ساتھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلا کر لاؤ۔ (وہ ہی اس طغیانی کے وقت اس کشتی کو کنارہ لگائیں گے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ افاقہ کی صورت دیکھ کر حضور ﷺ کی اجازت سے گھر والوں کی خبر لینے کے لئے اپنے مکان پر تشریف لے گئے ہوئے

تھے جو تقریباً ایک میل تھا) سالم کہتا ہے کہ میں روتا ہوا متحیرانہ صدیق اکبرؓ کے پاس گیا۔ وہ اس وقت مسجد میں تھے میری مضطربانہ حالت دیکھ کر دریافت فرمایا کیا حضور ﷺ کا وصال ہو گیا۔ میں نے اس کی اطلاع کی اور یہ بھی عرض کیا کہ عمرؓ یہ کہتے ہیں کہ میں جس کو یہ کہتے ہوئے سنوں گا کہ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا اس کی گردن اڑا دوں گا۔

صدیق اکبرؓ میرے ساتھ تشریف لائے اور مجھے کو ہٹا کر حضور ﷺ کے پاس تشریف لے گئے اور حضور کے چہرے مبارک پر گہری نظر ڈال کر آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور یہ آیت پڑھی ''انک میت وانھم میتون'' اے محمد ﷺ بے شک تم بھی وفات پانے والے ہو اور وہ سب دشمن بھی مرنے والے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ اے حضور ﷺ کے رفیق! کیا آپ کی وفات ہو گئی۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ بے شک آپ دارالبقاء کو روانہ ہو چکے ہیں۔ اس وقت صحابہ رضی اللہ عنہم کو یقین ہو گیا۔ پھر انہوں نے آپ سے دیگر امور دریافت کئے۔ اس لئے ہر ہر جزو میں احتمال خصوصیت تھا۔ اس لئے اوّل نماز جنازہ کا پوچھا کہ حضور ﷺ پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا پڑھی جائے گی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ کس طرح پڑھیں (تمام اہل مدینہ مشتاق ہیں) آپ نے فرمایا کہ ایک جماعت حجرہ کے اندر جاوے اور بلا جماعت نماز پڑھ کر چلی آوے۔ اسی طرح سب لوگ نماز پڑھیں، پھر صحابہ نے پوچھا کیا حضور ﷺ دفن کئے جائیں گے۔ آپ نے فرمایا یقیناً دفن کئے جائیں گے۔ انہوں نے پوچھا کہ کس جگہ قبر شریف بنائی جائے گی۔ آپ نے فرمایا کہ جس جگہ آپ کو وصال ہوا ہے۔ وہی جگہ مدفن ہے۔ اسی لئے کہ حق تعالیٰ نے آپ کا وصال اسی جگہ فرمایا جو جگہ حق تعالیٰ شانہٗ کو پسند ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہر ہر بات پر اطمینان ہوتا رہا اور بے شک سچ فرمایا کہتے رہے۔ پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اہل بیت اور حضور ﷺ کے قریبی رشتہ داروں کو تجہیز وتکفین کے انتظام کا حکم فرمایا (اور حفاظت اسلام اور رفع اختلافات کے لئے کسی شخص کو مدار رائے بنانے کی تجویز شروع ہوئی۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عمرؓ جب تلوار سونتے ہوئے کھڑے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا۔ اس کی گردن اڑا دوں گا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کے اس منصوبہ پر تنبیہ فرمائی اور ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں کلام پاک کی آیت ''وما محمد الا رسول'' تلاوت فرمائی۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جو شخص محمد ﷺ کی پرستش کرتا ہو وہ سن لے کہ حضرت محمد ﷺ وفات پا چکے ہیں اور جو اللہ جل جلالہ کی پرستش کرتا ہو تو اللہ جل جلالہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ سب کے سب حضرات، ابوبکرؓ کے خطبہ کی آواز سن کو ممبر کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے اسی خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ دین کی حفاظت کے لئے ایک شخص کی ضرورت ہے جو اس کی نگرانی کرے اور اس کی حفاظت کرے۔ تم لوگ اپنی اپنی رائے اس بارے میں بتاؤ۔ مہاجرین نے آپس میں مشورہ کیا۔ پھر یہ تجویز ہوا کہ انصار کی شرکت بھی اس مشورہ میں ضروری ہے۔ ان کی شرکت سے کوئی اور امر قرار پانا چاہئے۔ اس لئے ان کی مجلس میں یہ حضرات گئے۔ وہاں یہ مسئلہ پہلے سے چھڑا ہوا، انصار نے یہ تجویز کی کہ انصار میں ایک امیر مستقل ہو اور مہاجرین میں علیحدہ امیر ہو۔ (اس پر حضرت ابوبکرؓ نے حضور ﷺ کا ارشاد ''الائمۃ من قریش'' امیر قریش سے ہو نقل کیا) حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کون ہے وہ شخص جس کے لئے ایک ہی واقعہ میں تین فضیلتیں ہوں۔ چہ جائے کہ اور فضائل، اور پھر یہ تین بھی ایسی کہ جن میں سے ہر ایک کمال فضل پر دال ہو۔

اوّل حضور اقدس ﷺ کے ساتھ اتحاد وارتباط اور تنہائی کے وقت ساتھ دینا۔ جس کو حق تعالیٰ شانہٗ "ثانی اثنین اذھما فی الغار" سے ارشاد فرمارہے ہیں۔ دوسرے حق تعالیٰ شانہٗ ان کو حضور کا ساتھی اور رفیق فرمارہے ہیں "ان اللہ معنا" اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس وقت حضور اور حضرت صدیق اکبر ﷜ دو ہی حضرات وہاں تھے جن کے متعلق حضور ﷺ نے ہمارے ساتھ فرمایا۔ تم ہی بتاؤ کہ وہ دو کون تھے۔ جن کا آیت میں ذکر ہے کس قدر بڑی ذات ہے ان دونوں حضرات کی (یعنی حضور اقدس ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق ﷜ کے برابر کون سی ہستی ہوسکتی ہے) اس کے علاوہ اور بھی گفتگو درمیان میں ہوتی رہی جو مختلف روایات میں وارد ہوئی ہے۔ ایک حدیث شریف ہے کہ حضرت عمر ﷜ نے فرمایا کہ اے انصار کی جماعت تمہیں معلوم ہے کہ حضور ﷺ نے ابوبکر ﷜ کو مصلے پر کھڑا کیا اور بیماری کے زمانہ میں حکماً نماز پڑھوائی، تم میں سے کون گوارا کرسکتا ہے کہ ایسے شخص کو امامت سے ہٹادے۔ جس کو حضور ﷺ نے امام بنایا ہو۔ انصار نے کہا کہ اللہ کی پناہ! ہم ابوبکر ﷜ کے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق ﷜ نے بیعت کے لئے ہاتھ پھیلا دیا اور حضرت ابوبکر صدیق ﷜ سے بیعت کی۔ اس کے بعد سقیفہ کے سب لوگوں نے برضا ورغبت بیعت کی۔

فائدہ: یہ ابتدائی بیعت تھی جو انصار کی مجلس میں ہوئی، اس کے بعد دوسرے دن مسجد نبوی میں بیعت عامہ ہوئی۔ جس میں اوّل حضرت عمر ﷜ نے ایک خطبہ جس میں حضرت ابوبکر ﷜ کے فضائل بھی تھے اور دیگر امور ارشاد فرمائے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر ﷜ نے ایک طویل خطبہ ارشاد فرمایا کہ اللہ کی قسم میں کبھی خلیفہ بننے کا خواہشمند نہیں ہوا۔ نہ مجھے کبھی اس کی ترغیب ہوئی، نہ کبھی بھی پوشیدگی یا علانیہ اس کے حصول کی دعا کی۔ میرے انکار پر امت میں فتنہ پیدا ہوجانے کے ڈر سے میں نے اس کو قبول کیا ہے مجھے اس میں کوئی راحت نہیں ہے اور جو کام مجھ پر ڈالا گیا میری طاقت سے باہر ہے۔ اللہ کی مدد سے کچھ کام چل سکتا ہے۔

حضرت انس ﷜ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب مرض الوفات کی سخت تکلیف برداشت فرمارہے تھے تو حضرت فاطمہ ﷞ نے عرض کیا "ہائے بابا کی تکلیف" حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، آج کے بعد تیرے باپ پر کچھ تکلیف نہیں رہے گی۔ بے شک آج تیرے باپ پر وہ اٹل چیز اتری ہے یعنی موت، جو قیامت تک کبھی کسی سے ٹلنے والی نہیں۔ (ماخوذ من شرح شمائل ترمذی، خصائص نبوی)

مسئلہ حیات النبی ﷺ

از مولانا محمد منظور نعمانی (ماخوذ الفرقان ماہ ربیع الآخر ۱۳۷۸ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اب سے ایک سال پہلے میں پاکستان گیا تھا، اس وقت وہاں مختلف صحبتوں میں یہ بات سننے میں آئی تھی کہ دیوبند کے علمی اور دینی سلسلہ کے تلمذ اور عقائد کی نسبت رکھنے والے یہاں کے حضرات علماء میں ایک نیا اختلاف مسئلہ حیات النبی ﷺ کے بارے میں پیدا ہوگیا ہے۔ لیکن جن لوگوں سے میں نے اس بارے میں وہاں کچھ سنا وہ یا تو اصل حقیقت سے واقف نہ تھے یا اپنے علم وفہم کی خاص سطح کی وجہ سے نقطہ اختلاف کو صحیح طور پر سمجھے ہوئے نہ تھے۔ اس لئے

ان کے بیانوں میں سے کچھ نہ سمجھ سکا کہ اس اختلاف کی اصل حقیقت کیا ہے اور جن حضرات اہل علم کا اس نزاع کے فریق کے طور پر نام لیا جاتا تھا۔ اتفاق سے ان میں سے کسی سے بھی اس سفر میں ملاقات کی نوبت نہیں آئی۔ اس لئے اپنے ان بزرگوں اور دوستوں سے حسن ظن کی بناء پر میرا یہی خیال رہا کہ یہ اختلاف غالباً نزاع لفظی کے قبیل سے ہوگا۔

پھر پاکستان سے میری واپسی کے بعد مختلف اوقات میں اس سلسلہ میں میرے پاس کچھ خطوط بھی آتے رہے اور ان سے معلوم ہوتا رہا کہ یہ کشمکش برابر بڑھ رہی ہے اور ایک نئی تفرقہ کی شکل اختیار کرتی جارہی ہے۔ اس سلسلہ کے بعض خطوط سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض لوگ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ کی کتاب ''آب حیات'' کا حوالہ دے کر جماعت دیوبند کا مسلک یہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر موت طبعی وارد نہیں ہوئی بلکہ آپ جس حیات کے ساتھ اس دنیا میں رونق افروز تھے اسی حیات کے ساتھ قبر مبارک میں منتقل کردیئے گئے۔ ان میں سے بعض خطوط میں یہ بھی تھا کہ بعض دوسرے اہل علم اس مسئلہ کی وجہ سے علماء دیوبند پر سخت طعن وتشنیع کررہے ہیں اور مجھ سے اقرار کیا گیا تھا کہ اس بارہ میں جو کچھ صحیح سمجھتا ہوں اس کو الفرقان میں لکھوں۔ پھر گزشتہ مہینہ (اکتوبر میں) رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی پاکستان سے تشریف لائے تو انہوں نے بھی بتلایا کہ اختلاف و نزاع وہاں ایک اچھا خاصا فتنہ بنتا جارہا ہے اور اس کے بڑھنے کا خطرہ ہے اور اس بناء پر انہوں نے مجھے مشورہ دیا بلکہ اصرار سے فرمایا کہ اس بارے میں کچھ لکھنا ضروری ہے۔

الغرض یہی باتیں ان سطور کے لکھنے کی محرک ہوئی ہیں۔ میں جو کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں اس کی حیثیت ہرگز کسی فیصلے اور محاکے کی نہیں ہے۔ مجھے تو ابھی تک بھی معلوم نہیں کہ واقعہ میں اصل نقطہ اختلاف کیا ہے۔ بہرحال جو کچھ اس مسئلہ میں، میں سمجھے ہوئے ہوں اور جو کچھ میرے نزدیک حق ہے اور ہمارے اکابر کا مسلک ہے وہ میں عرض کرتا ہوں۔ پہلے چند مسلمہ دینی اور تاریخی حقیقتیں ذکر کرنا چاہتا ہوں:

۱...... سب جانتے اور مانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تریسٹھ سال (چالیس سال نبوت سے پہلے اور تیئس سال نبوت کے بعد) اس عالم ناسوت میں قیام فرما کر ہجرت سے ٹھیک دس سال بعد ربیع الاوّل کے مہینے میں ''کل من علیہا فان اور کل نفس ذائقۃ الموت'' کے عام قانون کے مطابق داعی اجل کو لبیک کہا اور رفیق اعلیٰ سے واصل ہوگئے۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم)

۲...... بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اس صدمہ کا ایسا اثر ہوا کہ ہوش وحواس بجا نہ رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حال تو اس وقت یہ ہوگیا کہ قسم کھا کھا کر رسول اللہ ﷺ کی وفات سے انکار کرتے تھے اور بعض روایات میں ہے کہ اس وقت اسی معاملہ میں ان کی شدت کا یہ عالم تھا کہ کہتے تھے کہ جو کوئی کہے گا کہ حضور ﷺ کی وفات ہوگئی میں تلوار سے اس کا سر قلم کردوں گا۔

۳...... جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنی قیام گاہ سے واپس تشریف لائے (جہاں حضور ﷺ کی اجازت سے وہ کچھ دیر پہلے چلے گئے تھے) اور آپ نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کے سامنے اس طرح باتیں کررہے ہیں۔ اپنے کو سنبھال کے اور سب لوگوں کو جمع کرکے مسجد نبوی میں خطبہ دیا۔ جس میں پوری صدیقی شان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی وفات کا واشگاف اعلان کرتے ہوئے آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''من کان منکم یعبد محمدا فان محمدا قد مات ومن کان منکم یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت'' تم میں سے جو کوئی محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا اسے معلوم ہونا چاہئے کہ وہ تو رحلت کرگئے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو بیشک اللہ تعالیٰ زندہ ہیں۔ اس کو کبھی موت نہیں آئے گی۔

اور اس کے بعد آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت بھی تلاوت فرمائی: ''وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیه فلن یضر الله شیئا وسیجز الله الشاکرین'' اور محمد تو اس کے کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا وہ دشمن کے ہاتھ سے شہید ہو جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو کوئی الٹے پاؤں پھرے گا تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا اور شکر کرنے والے بندوں کو اللہ تعالیٰ یقیناً اچھا بدلہ دے گا۔ (آل عمران)

اور بعض روایات میں ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس موقعہ پر حضور ﷺ کی وفات سے متعلق قرآن مجید کی چند اور آیتیں بھی تلاوت فرمائیں۔ بہر حال آپ کے اس خطبہ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس مسئلہ میں یکسو ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی غلطی محسوس کر لی اور اگلے دن مجمع عام میں اس کا اعلان بھی کر دیا۔

۴...... پھر رسول اللہ ﷺ کے وصال ہی کی بنیاد پر خلافت اور امامت کا مسئلہ اٹھا اور پھر سقیفہ بنی ساعدہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آپ کا خلیفہ منتخب کیا گیا اور بیعت ہوئی۔

۵...... پھر رسول اللہ ﷺ کو آپ کے پہنے ہوئے کپڑوں میں غسل دیا گیا، پھر کفن پہنایا گیا۔

۶...... پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک خاص طریقہ اور ترتیب سے آپ کی نماز جنازہ پڑھی۔ یعنی اس طرح کہ چند چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (بعض روایات کے مطابق دس دس) کی جماعت حجرہ مبارک میں داخل ہوتی تھی اور بغیر کسی کو امام بنائے نماز جنازہ پڑھ کر باہر آجاتی تھی۔ اسی طرح تمام صحابہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی (اور ابن سعد وغیرہ کی ایک روایت کے مطابق حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کسی کو امام نہ بنانے کی وجہ یہ بتائی کہ رسول خدا ﷺ جیسے زندگی میں امام تھے اسی طرح بعد وفات بھی امام ہیں ''هو امامنا حیاً ومیتاً'' بہر حال یہ مسلم ہے کہ آپ کی نماز جنازہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بغیر کسی امام کے پڑھی۔

۷...... آپ کا وصال دوشنبہ کے دن چاشت کے وقت ہوا تھا، اس دن اس کے بعد کی رات اور سہ شنبہ کا پورا دن جنازہ اسی طرح حجرہ شریف میں رکھا رہا اور لوگوں کی ٹولیاں باری باری نماز جنازہ ادا کرتی رہیں۔ یہاں تک کہ شب چہارشنبہ میں آپ کو اسی حجرہ مقدسہ میں دفن کر دیا گیا۔

یہ سب وہ مسلمہ دینی اور تاریخی حقائق وواقعات ہیں جو حدیث وسیر کی کتابوں میں عام طور سے مذکور ہیں۔ اس لئے میں نے کسی کتاب کا حوالہ دینے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی۔ مجھے یقین ہے کہ ان میں کسی بات سے بھی کسی صحیح العقیدہ صاحب علم کو انکار یا اختلاف نہیں ہوگا۔

۸...... اسی طرح کسی صاحب علم پر یہ بھی مخفی نہیں ہو سکتا کہ قرآن مجید میں ان بندگان خدا کو جو راہ حق میں قتل کیے گئے اور دشمنان حق نے بظاہر جن کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ''احیاء'' یعنی زندہ کہا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ وہ اپنے رب کے پاس شاداں وفرحاں ہیں اور ان کو وہاں انواع واقسام کا رزق اور طرح طرح کی نعمتیں مل رہی ہیں۔

۹...... اور یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت انبیاء علیہم السلام بہر حال ان سے افضل ہیں اور بدرجہا افضل ہیں۔ یقیناً ان کا انجام اور مقام ان شہداء کرام سے خوشتر اور بلند ہی ہونا چاہئے اور اسی لئے دنیا سے جانے کے بعد ان کی حیات شہداء

کی حیات سے اعلیٰ اور اقویٰ ہی ہونی چاہئے[1]۔

۱۰...... اور نص قرآنی کے اسی "اشارہ" اور اسی...... کی وضاحت ان احادیث سے ہوتی ہے جو کتب حدیث میں انبیاء علیہم السلام کی حیات کے بارہ میں روایت کی گئی ہیں۔ جہاں تک اس ناچیز کو علم ہے۔ ان حدیثوں کو سب سے پہلے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مستقل رسالہ میں جمع کیا ہے اور پھر اس رسالے کے قریب قریب پورے مواد کو ساتویں اور آٹھویں صدی کے جلیل القدر محدث وفقیہ شیخ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "شفاء السقام" میں نقل کر دیا ہے۔

اور متاخرین حفاظ حدیث میں سے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس مسئلہ پر مستقل رسالہ لکھا ہے۔ جس میں اس موضوع سے متعلق حسب عادت ہر طرح کی روایات کو جمع کر دیا ہے۔ زرقانی شرح مواہب میں بھی یہ حدیثیں دیکھی جا سکتی ہیں۔ ان سب احادیث اور روایات سے مجموعی طور پر یہ ضرور معلوم ہوجاتا ہے کہ جس طرح اس دنیا سے جانے کے بعد شہداء کو ایک خاص طرح کی حیات حاصل ہوجاتی ہے جس سے وہ دوسرے مؤمنین سے ممتاز ہیں اور جس کی بناء پر قرآن مجید میں ان کو احیاء کہا گیا ہے۔ اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام کو ایک خاص الخاص حیات اس دنیا سے منتقل ہونے کے بعد حاصل ہوجاتی ہے اور وہ تمام انبیاء علیہم السلام کو اور خاص کر خاتم الانبیاء ﷺ کو حاصل ہے[2]۔

یہاں جو کچھ عرض کیا گیا ہے (جس سے غالباً کسی صاحب علم کو بھی اختلاف نہ ہوگا) اس سے لازمی نتیجہ کے طور پر دو باتیں ثابت ہوجاتی ہیں۔ ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات ناسوتی کا جو سلسلہ پیدائش سے لے کر ۶۳ سال کی عمر شریف تک جاری رہا تھا وہ تو وفات کے دن ختم ہو گیا اور "کل نفس ذائقۃ الموت" کے قانون عام

---

[1] حافظ ابن القیم نے کتاب الروح میں قرطبی کے حوالے سے شیخ احمد بن عمرو کا ایک قول نقل کیا ہے جس کی ۲، ۳ سطریں یہ ہیں: "ان الشہداء بعد قتلہم وموتہم احیاء عند ربہم یرزقون فرحین، مستبشرین وھذان صفۃ الاحیاء فی الدنیا واذا کان ھذا فی شہداء کان الانبیاء بذالک احق واولی"

[2] علامہ ابن القیم نے قرطبی سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ ان کے شیخ احمد بن عمرو حیات انبیاء کے سلسلہ کی ان حدیثوں کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں کہ "یحصل من جملۃ القطع بان موت الانبیاء انما ھو راجع الی ان غیبوا عنا بحیث لا ندرکہم" (کتاب الروح ص ۸۴) اس سے ضمناً یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ مسئلہ میں اس طرح خیال کرنے والوں میں صرف زرقانی، ابن حجر، ہیثمی، سیوطی، شیخ عبدالحق دہلوی جیسے حضرات ہی نہیں ہیں بلکہ اس فہرست میں ان سے بہت پہلے ابوعبداللہ قرطبی اور شیخ احمد بن عمرو کے نام بھی اس فہرست میں ہیں۔ لیکن ان حضرات کی ایسی عبارتوں کا یہ مطلب قرار دینا کہ انبیاء علیہم السلام پر موت وارد ہی نہیں ہوتی اور ان کو اپنی قبروں میں بعینہٖ دنیا والی ناسوتی حیات حاصل ہے۔ ایسا سمجھنے والوں کی خوش فہمی کے علاوہ ان بزرگوں پر تہمت بھی ہو...... اسی طرح ہمارے یعنی بزرگوں کی تحریروں مثلاً "التصدیقات" میں انبیاء علیہم السلام کی قبر والی حیات کو جو حیوۃ دنیویہ کہا گیا ہے تو اس کا بھی ہرگز یہ مطلب نہیں ہے۔ اس کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ وہ حیات دنیا کی سی ہے۔ یعنی مع الجسد ہے۔ صرف برزخی روحانی نہیں ہے جو تمام مؤمنین کو بھی حاصل ہے۔ جن کے اجسام مٹی ہو چکے ہیں "التصدیقات" کے اردو ترجمہ ہی میں غور کرنے سے یہ مطلب خود واضح ہوجاتا ہے۔ علاوہ ازیں ان بزرگوں کی ایسی عبارتوں کا یہ مطلب بیان کرنا اور ان کا یہ مسلک بتانا کہ انبیاء علیہم السلام پر موت وارد ہی نہیں ہوئی اور قبروں میں وہ بعینہٖ دنیا والی ناسوتی حیات کے ساتھ موجود ہیں۔ صریحاً ان پر یہ الزام لگانا ہے کہ اس مسئلہ میں ان کی رائے قرآن وحدیث کے صریح نصوص و بینات اور اجماع صحابہ اور اجماع وقت کے خلاف ہے۔ میں نہیں یقین کرتا کہ ہمارے علماء میں سے کسی نے ایسی لغو بات کہی ہو۔ سبحانک ھذا بہتان عظیم!

کے مطابق آپ پر وہ کیفیت وارد ہوئی اور آپ اس منزل سے گزرے جس کی تعبیر موت کے لفظ سے کی جاتی ہے۔ آپ کی اس رحلت کو صحابہ کرام نے موت ہی کہا اور موت ہی سمجھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ کو کسی وقتی غلط فہمی یا غلبہ حالی کی وجہ سے) اس کے ماننے میں ابتداء جو تامل اور تردد تھا وہ بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خطبہ کے بعد ختم ہو گیا اور آخر الامر تمام صحابہ کرام کا اس پر اجماع ہو گیا کہ آپ کی ناسوتی حیات کا خاتمہ ہو چکا ہے اور آپ پر موت وارد ہو چکی اور قرآن حکیم کی بات "انک میت وانھم میتون" پوری ہو گئی۔

اور پھر اسی بناء پر آپ کو آخری غسل دیا گیا۔ موت کے بعد والا لباس یعنی کفن پہنایا گیا، قبر میں دفن کیا گیا (حالاں کہ اگر کسی آدمی میں ناسوتی حیات کا شائبہ بلکہ شبہ بھی ہو اور اس کی موت کا یقین نہ ہو چکا ہو تو اس کو دفن کر دینا شدید ترین شقاوت اور قطعاً حرام ہے اور کسی پیغمبر کے ساتھ شقاوت وظلم کا یہ معاملہ کرنا تو صرف حرام ہی نہیں بلکہ سخت ترین اور خبیث ترین کفر ہے۔

اور دوسری بات مذکورہ بالا دینی اور تاریخی حقائق وواقعات سے یہ معلوم ہوئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی موت کو بالکل دوسرے آدمیوں کی سی موت نہیں سمجھا بلکہ اس کی نوعیت عام انسانوں سے کچھ مختلف سمجھی۔ اس لئے آپ کو (۱) آخری پہنے ہوئے کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ (۲) کرتا تک جسم اطہر سے نہیں اتارا گیا۔ (۳) نماز جنازہ بھی عام اموات مسلمین کی طرح نہیں پڑھی گئی۔ بلکہ دوسرے طریقہ سے پڑھی گئی۔ بلکہ بعض روایات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ معروف نماز جنازہ کے بجائے صرف صلوٰۃ وسلام عرض کیا گیا اور آپ کے احسانات کے اعتراف کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے آپ کے لئے بس دعا کی گئی) اور اس سے بڑھ کر یہ کہ (۴) مردوں کے دفن کرنے کے بارہ میں تاخیر نہ کرنے کا جو عام تاکیدی حکم ہے اس کے بالکل برخلاف قریباً پورے دو دن گزر جانے کے بعد دفن کیا گیا اور اس غیر معمولی تاخیر میں کوئی ہرج نہیں سمجھا گیا اور کوئی (۵) اندیشہ نہیں محسوس کیا گیا اور (۶) کسی ایک صحابہ نے بھی اس معاملہ میں جلدی کرنے کا تقاضا نہیں کیا۔

پھر آپ کی ایک خاص ہدایت آپ کی زندگی کے عزیز مسکن (۷) یعنی حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس حجرہ ہی کو آپ کا مدفن او آپ کی دائمی آرام گاہ بنایا گیا اور آپ اسی میں دفن کئے گئے۔ اسی طرح آپ کی ایک ہدایت کے مطابق (۸) آپ کی املاک میں ترکہ اور وراثت کا عام قانون جاری نہیں کیا گیا۔ بلکہ آپ کی حیات طیبہ میں جو مصرف اور نظام تھا وہی بدستور قائم رکھا گیا۔ اسی طرح (۹) آپ کی ازواج مطہرات کا یہ حق سمجھا گیا کہ وہ اپنے مسکونہ حجروں کو تازیست اپنے استعمال میں رکھیں اور رسول اللہ ﷺ کے املاک سے اپنا نفقہ تاحیات حاصل کرتی رہیں۔ جیسا کہ حضور کے سامنے ان کو یہ دونوں حق حاصل تھے۔ حالاں کہ کسی مسلمان کے مرنے کے بعد اس کی بیوہ بیوی کے یہ حقوق صرف عدت کی مختصر مدت تک رہتے ہیں۔

ان سب استثنائی اور اختصاصی احکام ومعاملات سے یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ رسول پاک ﷺ کی وفات کی نوعیت دوسرے تمام لوگوں کی موت سے بہت کچھ مختلف ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ اتنی بات سے ہمارے حلقے کے کسی صاحب کو اختلاف ہوگا۔ اسی طرح بعض احادیث سے جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نیز دیگر انبیاء علیہم السلام کو اپنے مدفون میں ایک خاص قسم کی حیات حاصل ہے (جو اس عالم کے مناسب ہے اور بعض حیثیات

سے دنیا والی ناسوتی حیات[1] سے بھی اعلیٰ واقویٰ ہے) غالباً اس سے بھی کسی صاحب علم کو اختلاف نہ ہوگا۔...... ہاں اس کے آگے موت وحیات کی نوعیت کی تعیین اور تفصیلات میں کچھ اختلاف ہو سکتا ہے اور اس کی گنجائش بھی ہے اور ایسے اختلافات خود اہلسنت بلکہ اہلسنت کے ایک ایک حلقے میں بھی ہمیشہ رہے ہیں اور ان کی اہمیت دنیا اور ان کی باتوں کا باعث تفرقہ بنانا بڑی بدقسمتی کی بات ہے۔

اس کے بعد چند کلمات میں حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے رسالہ "آب حیات" کے مضمون کے متعلق بھی عرض کرتا ہوں: جن حضرات نے حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی تصنیفات اور مکاتیب کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ آپ کی اکثر تحریریں اردو میں ہونے کے باوجود مضامین کے لحاظ سے اتنی مشکل اور ادق ہیں کہ آج کل کے ہمارے اصحاب درس علماء میں بھی شاذ ونادر ہی ایسے نکلیں گے جو ان کو پوری طرح سمجھ سکیں اور اس ناچیز کے خیال میں آپ کی تصنیفات میں سب سے مشکل اور دقیق ترین بھی "آب حیات" ہے۔ درس نظامی کے جملہ فنون میں سب سے مشکل منطق وفلسفہ، صدرا اور ان فنون کی درسی کتابوں میں سب سے مشکل ہمارے درسی حلقوں میں قاضی حمد اللہ، صدرا اور خیالی کو سمجھا جاتا ہے۔

اس عاجز نے یہ کتابیں پڑھی بھی ہیں اور ان میں جو مشکل ترین ہیں وہ مدرسی کے زمانے میں پڑھائی بھی ہیں۔ میں خود اپنا تجربہ عرض کرتا ہوں کہ ان میں سے کسی کتاب کے سمجھنے میں مجھے اتنی مشکل پیش نہیں آئی جتنی کہ "آب حیات" کے سمجھنے میں آئی تھی۔ میں نے آب حیات کا مطالعہ پہلی دفعہ اپنی عربی طالب علمی کے آخری دور میں اس وقت کیا تھا جب کہ منطق وفلسفہ اور کلام کی سب درسی کتابیں میں پڑھ چکا تھا اور ان فنون کے وہ مباحث مجھے خوب مستحضر تھے۔ ان کے استحضار کے بغیر آب حیات کو نہیں سمجھا جا سکتا۔ لیکن مجھے خوب یاد ہے کہ اس وقت بھی میرا احساس یہی تھا کہ میں نے ساری عمر میں جو کتابیں دیکھی یا پڑھی ہیں ان میں سب سے زیادہ مشکل اور صعب الفہم یہی کتاب ہے۔ اپنے اس ذاتی تجربہ کی بناء پر مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں ہے کہ ہمارے حلقہ کے علماء میں بھی آب حیات کو پوری طرح سمجھنے والے ہندو پاک، طول وعرض میں اب گنتی کے چند ہی ہوں گے[2]۔

---

[1] اس تحریر میں حیات ناسوتی سے ہر جگہ میری مراد وہ حیات ہے جس کے لوازم اور خصائص اس عنصر مادی عالم کے ساتھ مخصوص ہیں اور اس کا سلسلہ ختم ہو جانے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ سے براہ راست وہ استفادہ جو آپ کی اس ناسوتی حیات میں ہر شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کر سکتے تھے۔

[2] مجھے اپنی اس رائے پر مزید اطمینان اپنے مکرم ومحترم مولانا قاری محمد طیب صاحب زید مجدہم سے ابھی حال میں یہ ہوا کہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اپنے آخری دور حیات میں ایک دن ان سے فرمایا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں تم کو آب حیات پڑھا دوں۔ لیکن مجھے اس کا مطالعہ کرنا ضروری ہوگا۔ اس لئے تم اس کا ایک نسخہ لا کر میرے سرہانے رکھ دو۔ میں رات کو مطالعہ کر لیا کروں گا۔ قاری صاحب کا بیان ہے کہ میں نے نسخہ لا کر رکھ دیا۔ لیکن پھر یا تو مطالعہ کا وقت نہیں مل سکا یا کوئی اور وجہ پیش آ گئی کہ اس کے پڑھنے یا پڑھانے کی نوبت نہ آ سکی۔ یہاں تک کہ حضرت مولانا کا وقت موعود آ گیا اور یہ کام رہ گیا۔ اس واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آب حیات کس قسم کی کتاب ہے کہ محمد طیب صاحب جیسے ذکی عالم وفاضل کو بھی اس کے پڑھنے کی ضرورت تھی اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم جیسے راسخ العلم اس کے پڑھانے کے لئے پہلے مطالعہ کر لینا ضروری سمجھتے تھے۔ پھر جب کل ۷ رنومبر کو اس ناچیز نے اپنی یہ تحریر سہارنپور میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی کو سنائی تو وہ واقف تھے حضرت ممدوح نے بھی اس کی تائید میں سنائے۔ ایک یہ کہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا جب وصال ہوا تو شیخ الہند رحمہ اللہ نے منطق وفلسفہ کی کتابیں پڑھانی چھوڑ دیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور بغیر کسی تکلف اور انکساری کے عرض کرتا ہوں، اب میں بھی ان میں سے نہیں ہوں کیوں کہ اس کے سمجھنے کے لئے منطق وفلسفہ اور کلام کے جو مباحث مستحضر ہونے چاہئیں وہ اب مجھے مستحضر نہیں رہے ہیں۔ تاہم چوں کہ اس کو سمجھ کر مطالعہ کیا تھا اس لئے اس کو حاصل و مدعی اور مرکزی مضمون الحمدللہ اب تک ذہن میں ہے۔ اب ان سطروں کے لکھنے سے پہلے بھی میں نے اسی پوری کتاب کا ایک سرسری مطالعہ حال ہی میں کیا ہے اور میں علیٰ وجہ البصیرت یہ کہنے کا اپنے کو حقدار سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے حیات و ممات کے بارہ میں اس میں کوئی بات بھی جمہور امت اور اہل سنت کے ان تمام دینی اور تاریخی مسلمات اور معتقدات کے خلاف نہیں ہے۔ جن کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے۔ البتہ رسول اللہ ﷺ کی حیات اور حیات بعد الممات کی خاص نوعیت کی تحقیق اور تعیین میں حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے اپنی خاص طرز پر ایک نہایت دقیق وعمیق کلام کیا ہے (اور اس کے ساتھ دجال کی حیات و ممات کے خاص نوعیت کے بارے میں بھی اسی طرز پر کچھ کلام کیا ہے اور بلاشبہ یہ تحقیق اتنی دقیق ہے کہ عوام کے علاوہ خواص کے فہم سے بھی بالاتر ہے۔ میں اس کو عوامی مسئلہ بنانا از قبیل اتباع متشابہات اور غریب عوام کو فتنے میں ڈالنا ہے۔ وہ بیچارے اصل حقیقت کو تو سمجھ نہ سکیں گے۔ پھر یا تو کچھ کا کچھ سمجھ کے اندھی عقیدت میں اس کو اپنا عقیدہ بنا کے گمراہ ہوں گے یا حضرت نانوتوی رحمہ اللہ پر گمراہی اور بداعتقادی کے فتوے لگائیں گے۔ ہمارے علماء کرام کو اللہ سوچنا چاہئے کہ سارے ضلال وفساد کا ذمہ دار عنداللہ کون ہوگا۔

دیوبند کیا ہے

آخر میں چند کلمات دیوبندی مسلک ومشرب کے بارہ میں بھی عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ ہمارے اکابر وہ اساتذہ حضرات علماء دیوبند کا کوئی الگ اعتقادی یا فقہی کتب فکر نہیں ہے۔ عقائد میں ہم اہلسنت وجماعت کے طریقے پر اور فقہ میں حنفی ہیں۔ البتہ احناف اہلسنت میں ہمارے اکابر کا ایک خاص رنگ ہے۔ بس اسی کی تعبیر دیوبندیت سے کی جاتی ہے اور وہ رنگ مندرجہ ذیل خصوصیات کے اجتماع سے پیدا ہوتا ہے۔

۱...... فقہ حنفی پر اطمینان اور اس کے مطابق فتوئی اور عمل کے ساتھ حدیث وسنت سے خاص تعلق وشغف نیز دوسرے ائمہ مجتہدین اور اسی طرح حضرات محدثین کا ادب واحترام اور دل میں ان سب کی عظمت ومحبت۔

۲...... اس فقہ اور علمی خصوصیت کے ساتھ حضرات صوفیائے کرام کی نسبت کی طلب وتحصیل یا کم از کم دل میں ان کی عظمت ومحبت۔

۳...... ان سب کے ساتھ اتباع سنت اور شرک وبدعت سے نفرت اور اس معاملہ میں ایک خاص صلابت وحمیت۔

۴...... اور پھر اس سب کے ساتھ اعلاء کلمۃ اللہ کا جذبہ اور اس راہ میں مر مٹنے کا شوق بس دیوبندیت دراصل اس

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) حالاں کہ پہلے پڑھایا کرتے تھے۔ جب بہت اصرار کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ان کتابوں کو ہم صرف اسی لئے پڑھایا کرتے تھے کہ حضرت رحمہ اللہ کی باتیں سمجھنے میں ان سے مدد ملتی تھی۔ اب جب وہ نہ رہے تو کیوں ہم خواہ مخواہ ان کتابوں پر مغز ماریں۔ دوسرا واقعہ اس سلسلے کا یہ سنایا کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے تدریسی دور میں بار بار یہ طے ہوا اور اس کا منصوبہ بنا کہ حضرت کے خاص تلامذہ حضرت مدنی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثانی رحمہ اللہ وغیرہ (جب ان حضرات کے پڑھانے کا زمانہ تھا) حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی تصانیف حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے سبقاً سبقاً پڑھیں۔ لیکن اس کی نوبت غالباً نہیں آئی۔ بہرحال جن حضرات نے حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی مشکل تصانیف آب حیات وغیرہ خود نہیں دیکھی ہیں۔ وہ ان واقعات سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ کس قسم کی کتابیں ہیں اور ار دو خواں عوام تو عام آج کل علماء میں بھی کتنے ہیں جو ان کو سمجھ سکتے ہیں۔

خاص رنگ کا عنوان ہے۔ جو ان عناصر اربعہ کے اجتماع سے پیدا ہوتا ہے۔ ہمارے اسی سلسلہ کے اکابر واساطین حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (نوّر اللہ مرقدہم) اوران کے خاص تلامذہ مسترشدین ان چیزوں کی جامعیت میں ممتاز تھے۔ ورنہ یہ خصوصیات جدا جدا دوسرے حلقوں میں بھی پائی ہیں۔ میں یہ بھی عرض کردوں کہ دیوبندیت کی یہ تحقیق اوراس کا یہ تجزیہ ایک صحبت میں اس عاجز نے مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم سے سنا تھا۔ اس کے بعد سے جب اور جتنا اس پر غور کیا اتنا ہی اس کو صحیح اور واقعہ کے مطابق پایا۔ بہر حال طریق اہل سنت اور فقہ حنفی سے وابستگی کے بعد یہ ہے کہ وہ خواص رنگ یا خواص مشرب جس کا عنوان دیوبندیت ہے۔ پس جو ہم میں سے جتنا اس رنگ میں کامل یا ناقص ہے تو اتنا ہی وہ دیوبندیت میں کامل یا ناقص ہے اور سب سے پہلے میں اقرار واعلان کرتا ہوں کہ میں اپنے حال عمل کے لحاظ سے بہت ہی ناقص قسم کا دیوبندی ہوں۔ لیکن الحمدللہ میں نے اصل دیوبندیوں کو دیکھا ہے اوران کے طریقے اور ان کے حال پر جینے اور مرنے کی آرزو رکھتا ہوں۔ احب الصالحین ولست منھم لعل اللہ یرزقنی صلاحا!

آخر میں میں پھر عرض کرتا ہوں کہ بخدا نہ مجھے اب تک کسی ذریعہ سے معلوم ہوسکا ہے اور نہ میں خود غور کر کے سمجھ سکا ہوں کہ اس مسئلہ میں ہمارے علماء میں اصل نقطہ اختلاف کیا ہے۔ میں خود جس طرح اس مسئلہ کو سمجھے ہوئے ہوں اور جو میرے نزدیک حق ہے اور ہمارے اکابر کا مسلک ہے وہ میں نے ان صفات میں اپنے امکان کی حد تک صاف اور صحیح طور پر پیش کردینے کی کوشش کی ہے۔ یہ ناچیز دو تین دن سے مخدومنا حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری دامت برکاتہم کی خدمت میں سہارن پور آیا ہے۔ اپنی اس تحریر کی تکمیل بھی یہیں کی ہے اور حضرت ممدوح ومخدومی حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی شیخ الحدیث مظاہر العلوم کو یہ تحریر میں نے لفظ بلفظ سنا بھی دی ہے اور میرے اور پوری جماعت کے ان دونوں بزرگوں نے اس کی تصویب بھی فرمائی ہے۔ ہمارے جن بزرگوں اور دوستوں کی رائے میں اس بارے میں کوئی اختلاف پیدا ہوگیا ہے۔ پورے ادب واحترام واخلاق کے ساتھ ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ جو کچھ ناچیز نے اس تحریر میں عرض کیا ہے اگر وہ صرف اتنے پر متفق ہوں تو اختلاف ختم ہوجانا چاہئے اور اس سے آگے کسی نقطہ میں اگر بالفرض اختلاف ہو بھی تو اس کو ہرگز وجہ تفریق نہیں بنانا چاہئے۔ بلکہ اعلان ہونا چاہئے کہ یہ اختلاف اس قسم کا علمی اختلاف ہے جو ایک حلقہ کے اہل علم میں بھی ہوسکتا ہے۔ خود ہمارے اساتذہ اور مشائخ میں بعض مسائل کی تحقیق میں اختلاف ہوا ہے اور ہورہا ہے۔ اگر ضرورت ہو تو یہ عاجز اس کی بیسیوں مثالیں گنا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم غیر ضروری بنیادوں پر تفریق کا باعث نہ بنیں۔

یہ تحریر مکمل کر لینے کے بعد دیوبند بھی حاضر ہوا اور وہاں استاذی حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کو بھی میں نے یہ تحریر سنائی۔ حضرت ممدوح نے آب حیات کے مضمون پر بصیرت افروز روشنی ڈالی جو بلاشبہ آپ ہی کا حق ہے (لیکن جیسا کہ میں عرض کرچکا ہوں وہ صرف خواص اہل علم کے سننے اور سمجھنے والی بات ہے۔ اس لئے میں اس کو اس تحریر کا جز بنانا نہیں چاہتا) ساتھ ہی مجھ سے فرمایا کہ اس تحریر کے آخر میں یہ اضافہ اور کردیا جائے کہ آب حیات کے مضمون کو جو شخص ٹھیک ٹھاک سمجھ لے گا وہ اس کی نصوص قرآن وحدیث یا اجماع امت کے خلاف ہونے کا شبہ بھی نہیں کرے گا۔ یہ شبہ اس کو ہوگا جو اس کا مطلب صحیح سمجھ نہ سکے گا اور جو شخص اس کا مطلب ایسا بیان کرے ...... اور اجماع کے خلاف ہو تو سمجھنا چاہئے کہ اس نے اس کا مطلب صحیح نہیں سمجھا (اس کے ساتھ مولانا ممدوح نے فرمایا کہ) آب حیات والی تحقیق ایک نہایت دقیق علمی تحقیق اور ایک مستقل عمیق علم ہے۔ اس کا سمجھنا اور ماننا نہ اہلسنت ہونے کی شرط ہے نہ دیوبندی مشرب ہونے کی۔ لہٰذا اس مسئلہ کو ہرگز وجہ تفریق نہیں بنانا چاہئے۔ دونوں فریق ہمارے ہیں اور ہمارے افراد کے جماعت ہیں۔

دارالعلوم دیوبند، ۱۱ر نومبر ۱۹۵۸ء